نقیبِ ختمِ نبوت
ملتان

دل کی بات :
- ○ ضیاء الحق اور جونیجو
- ○ موجودہ حکمران اور نفاذِ اسلام
- ○ ملکی حالات اور الیکشن

ربیع الاول ۱۴۰۹ھ ○ اکتوبر ۱۹۸۸ء

تجدیدِ شریعت
ایک سنگین قومی مسئلہ

تلخ و شیریں

تحریر و تقریریں
طوفان تھا شورش

تحریکِ نفاذِ اسلام کا قیام

یکے از مطبوعات :
تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوۃ — شعبۂ تبلیغ — عالمی مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

أفکارِ أحرار

عیش و راحت اِنسان کے دشمن

سکون و راحت، انسانی زندگی کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ ممکن ہے کہ سانپ انسان سے اچھا سلوک کرے اور اسے کاٹ لینے سے رُک جائے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ زہر انسان پر اثر نہ کرے اور انسان زہر کھا لینے کے بعد بھی زندہ رہے مگر ایسا نہیں ہو سکتا کہ جو قوم اور جو طبقہ تن آسانی اور راحت پسندی کا خُوگر ہو جائے اور جہد و کشمکش سے جان چرانے لگے، اُسے قدرت عزت کی کوئی زندگی اور زندگی کا کوئی ایک لمحہ بھی عنایت فرمائے۔

عیش طلبی اور انسانی زندگی کا باہم کوئی تعلق نہیں، زندگی میں عیش کا تصوّر و تلاش، اِنسان کے لئے ایک لاعلاج مرض ہے اور عیش و راحت کی موجودگی انسانیت کے ناموس و عزت کے لئے موت کا پیغام ہے۔

مجھے تو ہمیشہ سے اکبر کی شاعری سے اُنس رہا ہے۔ سبحان اللہ! اس موضوع پر اُس نے کیسی اچھی بات کہی ہے:

ہر چند بگولا مضطر ہے اِک جوش تو اُس کے اندر ہے
ایک رقص تو ہے، اِک وجد تو ہے، بے چین سہی، برباد سہی

شیخ الاسلام علامہ **شبیر احمد عثمانی** رحمۃ اللہ علیہ
دار الحدیث، دار العلوم دیوبند میں طلباء سے خطاب

نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

ربیع الاول ۱۴۰۹ھ ○ اکتوبر ۱۹۸۸ء

سلسلہ اشاعت : ۹

سرپرست اکابر:

مولانا محمد اسحٰق صدیقی مدظلہٗ

مولانا حکیم محمود احمد ظفر مدظلہٗ

مولانا محمد عبداللہ مدظلہٗ

مولانا عنایت اللہ چشتی مدظلہٗ

مولانا محمد عبدالحق مدظلہٗ

رفقائے فکر

حضرۃ سید انور حسین نفیس زیدی مدظلہٗ

سید عطاء المحسن بخاری

سید عطاء المؤمن بخاری

سید عطاء المہیمن بخاری

سید محمد کفیل بخاری

سید عبدالکبیر بخاری

سید محمد ذوالکفل بخاری

سید محمد ارشد بخاری

سید خالد مسعود گیلانی

عبداللطیف خالد ○ اختر جنجوا

عمر فاروق عمر ○ محمود شاھد

قمر الحسنین ○ بدر منیر احرار

اس شمارے میں

★

دل کی بات — سید عطاء المحسن بخاری — ۲

تجدید شریعت — مفتی محمد اسحٰق صدیقی — ۵

تلخ و شیریں — مولانا محمد عبدالحق چوہان — ۱۹

علمائے دین کیلئے لمحۂ فکریہ — پروفیسر منیر احمد شامی — ۲۳

تحریر و تقریر میں طوفان تھا شورش
از : شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی — ۲۸

اسلام اور نبوت — حکیم محمود احمد ظفر — ۳۵

تحریک نفاذ اسلام پاکستان کا قیام
از : سید محمد کفیل بخاری — ۴۳

★

رابطہ : مدرسہ معمورہ

دارِ بنی ھاشم، مہربان کالونی ملتان

قیمت : ۳/۰ روپے ○ سالانہ ۴۰/ روپے

دل کی بات

ضیاء الحق — اور — جونیجو

پاکستان کے چالیس برس کی اقتدار کی تاریخ کا درخشاں و منفرد شخص محمد ضیاء الحق رحمۃ اللہ علیہ پاکستان کی حقیقی تعمیر پر اپنی گہری چھاپ چھوڑ کر بہت دُور چلے گئے۔ اُنہوں نے جو کچھ کیا، صحیح یا غلط، اچھے اعمال پر جزا کے مستحق ہیں۔ اور اُن کے غلط اعمال، انفرادی ہوں یا اجتماعی، ایک مسلمان کے ناطے اُن کی مغفرت اور معافی کی دعا مانگنا پوری قوم کا اخلاقی فریضہ ہے۔ اور شرافت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اب اُنہیں اُن کے اللہ کے حوالے کر کے اُن کی کتابِ حیات کے ابواب بند کر دینے چاہییں اگر اُن کا ذکر کرنے کو جی چاہے تو حضور رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق: اذکروا موتاکم بالخیر۔ "تم اپنے مرنیوالوں کو بھلائی سے یاد کرو"۔ مگر ہم نے اخبارات کے ظاہر و باطن کو خوب عقابی نگاہوں سے پڑھا و پرکھا مشاہد ہ ہے کہ ایک آدھ سیاستدان کو چھوڑ کر تمام نے بدزبانی، تہمت، الزام و دُشنام کو وظیفۂ حیات بنا لیا ہے جو خالصتاً غیر مسلموں والا رویّہ ہے۔ خصوصاً پیپلز پارٹی کے بزرگ و خورد اور مسٹر جونیجو نے جھوٹے کانچ کے محل میں بیٹھ کر ضیاء الحق کی قبر پر پتھر پھینکنے شروع کئے ہوئے ہیں اور وہ برابر سنگ باری کی مشرکانہ مشقِ ستم میں مسلسل مصروف ہیں اور اپنے عہدِ خراب کی تمام سیہ کاریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے پرویزی حیلوں کا سہارا لے رہے ہیں۔ حالانکہ ان کے مختصر دورِ حکومت میں پاکستان کا ستیاناس ہو گیا۔

۱— اوجڑی کیمپ کا خوفناک حادثہ

۲— اربوں روپے کے قرضوں کو سیاسی رشوت کے طور پر معاف کرنا

۳— اربوں روپے کا اقرأ فنڈ غطربود ہونا

۴— دینی قوتوں کو حکمتِ عملی سے پسِ منظر میں دھکیلنا۔ ۵— لادین قوتوں کا جونیجو حکومت پر اعتماد۔

مسٹر جونیجو پر یہ ایسے الزام ہیں جن کا جواب وہ آج تک نہیں دے سکے۔ اُلٹا بھٹو کی طرح اوجڑی کیمپ کے حقائق کے بیان کا چکمہ دے کر اپنا قد اونچا کرنے کی نقل کر رہے ہیں۔ بھٹو نے بھی معاہدۂ تاشقند اپنی قبر میں دفن کر لیا اور جونیجو بھی اس حقیقت کے رُخ سے نقاب نہیں اٹھا سکیں گے اور نہ ہی اس منفی طرزِ عمل سے وہ اپنا سیاسی قد کاٹھ اونچا کرنے میں

کامیاب ہوسکیں گے۔ اگر بانیٔ پاکستان زندہ ہوتے تو جونیجو کو زندہ دفن کر دیتے۔

اور اگر جونیجو حق بجانب ہوتے تو جونیجو کے قبلہ پیر پگارو صاحب ضیاء مرحوم سے ملاقات کے بعد جونیجو کی صفائی میں ایک بیان تو دیتے ؟۔

جونیجو سے رشوت کھانے کے بعد حق نمک ادا کرنے والے خوب سوچ لیں کہ جس سورج کے طلوع ہونے کا خواب انہوں نے دیکھا ہے وہ کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔ پی پی پی اور جونیجو لیگ ، قومی مجرموں کی پناہ گاہیں ہیں اور قومیں اپنے مجرموں کو معاف نہیں کیا کرتیں۔ تاریخ گواہ ہے، "منصور سفاح" ، "حسن بن صباح" ، "مختار ثقفی" اور "ابن علقمی" جیسے ملعونوں کو اُمت کشی کی ایسی سزا ملی ہے جو ہمارے سیاستدانوں کے لیے تازیانۂ عبرت ہونی چاہیے۔

ملکی حالات اور الیکشن :

ہمارے ملکی حالات عجیب بے طرح خراب و تباہ ہیں۔ جنوبی پاکستان اور شمالی پاکستان غیر ملکی تخریب کاروں اور اُن کے پاکستانی ایجنٹوں، علقمی زادوں کے نرغے میں ہے۔ کراچی، حیدر آباد، ڈیرہ اسماعیل خان، گلگت، سکردو، بلتستان وغیرہ میں ملتِ مسلم کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ پاکستانی سیاستدانوں اور بیوروکریٹس کی ملی بھگت سے پاکستان کو لادین ریاست بنانے کی سازش کی نحوست کے نتیجہ میں پنجاب، سیلاب کے عذاب میں گرفتار ہے۔ لاکھوں انسان بے گھر، ہزاروں موت کے مہیب جبڑوں میں اور سیکڑوں بیمار و نادار، کھیتیاں ویران۔ قومی و لسانی فتنہ پروروں کی فتنہ انگیزیاں، دہشت و وحشت اور بربریت اِس پر مستزاد۔ مگر ہمارے بے حس اور انسانی ہمدردی سے محروم سیاست گردوں کو صرف الیکشن کی "مُرلی" بجانے سے کام ہے اور بس ! کسی ایک لیڈر کو اس بات کا احساس تک نہیں کہ جتنا سرمایہ الیکشن کی منفی مومنٹ پر خرچ ہو گا وہ سارا نہ سہی آدھا تو سیلاب زدگان کی خدمت پر صرف کیا جائے۔ جونیجو لیگ، پی پی پی، جو انسانیت اور پاکستانیت کے بڑے منادی ہیں وہ پاکستان کا لوٹا ہوا مال الیکشن کی بجائے مجبوروں ناداروں، مریضوں اور سیلاب زدگان کی بحالی پر لگائیں تو شاید ان کے سابقہ گناہ معاف ہو جائیں، چہ جائیکہ اُمت انہیں دوبارہ اِنسانیت کے قتل کا موقع مہیا کرے —— یا اللہ ! اپنی پناہ میں رکھیو۔ آمین۔!

اِس انارکی و بربریت کے ماحول میں الیکشن کا مطالبہ اور اسے مان کر الیکشن کرانا پاکستان دشمنی کے سوا کچھ نہیں۔

مشرقی پاکستان مرحوم میں بالکل ایسے ہی حالات تھے، الیکشن ہوا اور مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بنا دیا گیا اور نظریۂ پاکستان برہم پتر کی نذر کر دیا گیا —— یا حسرتی —!

موجودہ حکمران اور نفاذِ اسلام :

ضیاء الحق کی کربناک موتِ شہادت کے بعد موجودہ حکمران، جن میں اکثر ضیاء کے عہد کے افراد ہی ہیں، انہوں نے اقتدار پر براجمان ہوتے ہی پہلا اعلان یہ کیا کہ "نفاذِ اسلام" موجودہ حکومت کی ترجیحات میں پہلے نمبر پر ہے۔ لیکن صورتحال اس سے یکسر مختلف ہے۔ حکومت نے الیکشن کو ترجیح دی ہے، نفاذِ اسلام کو ترجیح نہیں دی۔ بلکہ ہمیں تو ڈر ہے کہ کہیں نفاذِ اسلام کا وہ عمل جو ضیاء الحق کے دور میں ہوا وہ بھی سرد خانے کی نذر نہ ہو جائے ـــــ موجودہ حکمران اس بات کو ہرگز نہ بھولیں کہ پاکستان کے قیام کی اساس اسلام تھی، اب اس کی بقاء بھی اسلام اور صرف اسلام ہی کے نفاذ میں مضمر ہے بلکہ موجودہ حکمرانوں کا وجود بھی اسلام کے نفاذ سے ہی بچ سکتا ہے۔

اتفاق و اتحاد زندہ باد !

سیاستدانوں، بیوروکریٹس اور موجودہ حکومت کی سرد مہری و منفی رویوں سے دل برداشتہ ہو کر صمیمِ قلب سے اٹھنے والی بعض آوازوں پر امت کے جیّد سربرآوردہ علماء نے لبیک کہا اور اللہ کے دین کی نصرت، دین کی بالادستی، دینی اقدار کی بحالی و بقاء کی دینی جنگ لڑنے کا متفقہ فیصلہ فرمایا اور تمام علماء حضرت قبلہ مفتی ولی حسن صاحب کی شخصیت پر جمع ہو گئے اور فیصلہ فرمایا کہ علماء **تحریکِ نفاذِ اسلام** کے متفقہ پلیٹ فارم سے **نفاذِ اسلام** کی عملی جدوجہد کا آغاز کریں گے۔

علماء کے دو وفد بنے، ایک وفد سرکاری سطح پر ہونے والی خرابیوں کا محاسبہ کریگا جبکہ دوسرا وفد علماء کی مخاصمتوں کو دور کر کے **اتفاق و اتحاد** کے لئے مضبوط کوشش کریگا

عالمی مجلسِ احرارِ اسلام، علماءِ کرام کے اس مقدس و مبارک اور مسعود فیصلہ سے سو فیصد متفق ہے اور خیر و برکت کے اس عمل میں ان کے شانہ بشانہ ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (القرآن الحکیم)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کا ساتھ دو ـــــ!

سید عطاء المحسن بخاری

مفتی محمد اسحاق صدیقی
-کراچی :

تجدیدِ شریعت

ایک سنگین قومی مسئلہ

روزنامہ نوائے وقت ملتان، مؤرخہ ۱۹/اپریل ۱۹۸۸ء کی اِشاعتِ خاص میں ایک مذاکرے کی روداد شائع ہوئی ہے جس کا اِہتمام اِدارۂ نوائے وقت کی طرف سے کیا گیا تھا اور جس میں مُلک کے کئی دانشور حضرات نے حصّہ لیا۔ یہ مذاکرہ ڈاکٹر محمد یُوسُف گورایہ صاحب، ڈائریکٹر اوقاف کی انگریزی کتاب (ISLAMIC JURIS PRUDENCE IN THE MODERN WORLD) "دُنیائے جدید میں اِسلامی اصُولِ قانون" پر ہُوا تھا۔ خود جناب مُصنّف شریکِ مذاکرہ تھے اور دُوسرے فضلاء اور دانشور حضرات نے اُن کی کتاب کے مُتعلق اپنی اپنی رائے کا اِظہار کیا۔ شرکاءِ مذاکرہ میں سے ہر صاحب نے موصوف کی کتاب کی تعریف کی اور اس ضمن میں بعض اصولی مسائل پر اظہارِ خیال فرمایا۔ اِن حضرات میں کوئی اِختلافِ رائے نہیں ہُوا۔ اِس لئے اس مذاکرے میں جو خیالات مختلف حضرات نے ظاہر فرمائے ہیں ان سب کو مُتفق علیہ سمجھنا چاہیے اور کسی ایک فرد کی بجائے اسے پُوری مجلسِ مذاکرہ کے خیالات و آراء شمار کرنا چاہیئے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کی کتاب مذکُور کی طرف منسُوب کرکے ایک فاضل نے اِرشاد فرمایا :

"خلفاءِ راشدین نے بھی قُرآن اور اُسوۂ حسنہ کو سامنے رکھا لیکن کچھ دیر بعد کہ جب ملوکیت اور بادشاہت کا دور آیا اور خاص طور پر عبّاسیوں کے دَور میں کچھ ایسے عناصر قانون کی تشکیل اور اُس کے نفاذ میں دَاخل ہوگئے جن کا تعلق اصل منبع سے ثابت نہیں ہوتا۔ اس میں مصلحت آمیزی اور کچھ دوسری چیزیں شامل ہوگئیں"۔

ایک دُوسرے دانشور نے یہاں تک اِرشاد فرمایا :

"مسلمان فقہاء ہیں جو بڑے بڑے نام ہیں اُن کے اجتہادی کارنامے بیشتر وُہ تھے جو ملوک و سلاطین کی عصری اور وقتی ضرورتوں کو پُورا کرنے کی تعبیر کا ایک حصّہ تھے۔"

ان دانشورانِ پاکستان کے مندرجہ بالا قول سے عیاں ہے کہ اُنہوں نے اسلامی تاریخ کا خالصتاً شیعی زاویۂ نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ بلکہ شاید مطالعہ کرنے سے پہلے ہی شیعوں اور شیعیت زدہ مُصنّفوں اور مُقرروں کے بیانات سے مُتاثر ہو کر اس پر سیاہی پھیر دی۔ اَئمۂ اربعہ، جن کا فقہ صدیوں سے پُوری دُنیائے اِسلام میں رائج ہے، اگر مخلص نہ تھے اور اگر اس فقہ میں ایسے عناصر موجُود ہیں جن کا کوئی تعلق اَصل منبع یعنی کتاب و سُنّت سے نہیں ہے، تو اس فقہ پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ اس کے معنٰی تو یہ ہُوئے کہ اُمّتِ مُسلمہ فقہ و قانون کے بارے میں بالکل تہی دست ہے۔ ان حضرات نے ہمارے اَئمۂ مجتہدین اور اکابر فقہاء و مُتقنّنین پر اس قدر سنگین الزام لگایا ہے جس کی تصدیق و تائید کوئی مُنصف مِزاج اور باخبر غیر مُسلم بھی نہیں کر سکتا۔ الزام جس قدر افسوسناک اور سنگین ہے اُسی قدر غلط اور خلافِ واقعہ بھی ہے۔ ہمیں اپنی تاریخ خصُوصاً فقہ و قانون کی تاریخ پر ناز ہے۔ تاریخ شاھد ہے اور یہ بات تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ ہمارے اَئمۂ فقہ اور کبار فقہاء اعلیٰ درجہ کے ذہین و فطین ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کے مخلص، حق گو اور حق پسند تھے۔ ان پر ایسے الزام لگانا چاند پر خاک ڈالنا ہے۔

اِجتہاد و تقلید کا مسئلہ:

ان حضرات کی رائے میں تقلید ایک عیب اور کُلّیتہً واجبُ الترک ہے۔ جُملہ اجتماعی مسائل میں اجتہاد کرنا چاہیے۔ ہمیں اجتہاد کی ضرورت سے انکار نہیں۔ اَئمۂ اربعہ کے مُقلّد علماءِ مُتبحّرین جب ضرورت ہوتی ہے تو اجتہاد سے دریغ نہیں کرتے۔ لیکن بلا ضرورت شرعی اجتہاد کرنا اور اس گراں قدر، کثیر منافع علمی خزانۂ عامّہ کو نظر انداز کر دینا، جو ہمارے اَئمۂ فقہ اور اُن کے فاضل شاگردوں نے ہمارے لئے چھوڑا ہے، نہ شرعاً پسندیدہ ہے اور نہ قرینِ عقل و دانش۔ کاش! دانشور حضرات اس حقیقت کا ادراک کرتے کہ اجتماعی زندگی میں تقلید ناگزیر ہے۔ اگر علماءِ دین اور دانشوروں کے ایک گروہ نے اجتہاد کر کے کچھ قوانین تیار کئے اور حکومت نے انہیں ملک میں نافذ کر دیا تو ملک کے دوسرے علماء نیز حُکام اور جج صاحبان کو تو ان کی تقلید ہی کرنا پڑے گی۔ اگر ہر جج اور حاکم ہی اجتہاد کرے تو ملک میں افراتفری پھیل جائے اور کوئی نظم و نسق باقی نہ رہے۔ پھر جب ان سب کو تقلید کرنا ہی ہے تو حکومت کی قائم کردہ کسی مجلسِ عُلماء و دانشوران کی بجائے اَئمۂ مجتہدین رحمہم اللہ کی تقلید کیوں نہ کریں؟ کوئی ایسی ضرورت درپیش ہو جائے جسے شرعاً بھی ضرورت کہا جا سکے تو عُلماءِ مُقلّدین

جہاد کو لَبَّیک کہنے میں انشاء اللہ دریغ نہ کریں گے۔ اور جب ضرورت پیش آئی ہے تو علماءِ مقلّدین نے اجتہاد کیا ہے۔

اجماع کے متعلق غلط فہمی:

کتاب و سُنّت کے بعد اجماع بھی ایک دلیلِ شرعی ہے۔ یہاں لفظِ "اجماع" اپنے معنوی یا عُرفی معنیٰ میں نہیں استعمال ہُوا ہے۔ بلکہ وُہ اسلامی فقہ کی ایک اصطلاح ہے۔ عالمِ اسلام کے سَب مُجتہدینِ اُمّت کا کسی حکم پر مُتّفق الرّائے ہوجانے کا نام اجماع ہے۔ اس کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ اس کے لئے کوئی سَند بھی ہو۔ یعنی یہ کتاب وسُنّت کی طرف مُستند ہو۔ یہاں یہ بات ملحوظ رکھنا چاہیے کہ مسیحی مذہب میں بھی اجماع دلیلِ شرعی اور قطعی ہے۔ مسیحی علماء اور مقتداؤں کا کسی مذہبی مسئلے پر مُتّفق الرائے ہو جانا از رُوئے مسیحی مذہب اس مسئلہ کو قطعی طور پر ثابت کرنے کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کے ثبوت سے انکار کو کفر سمجھا جاتا ہے۔

اسلام کے تصوُّرِ اجماع اور مسیحی تصوُّرِ اجماع میں فرق یہ ہے کہ اسلام میں عقلِ محض اور صرف رائے سے کوئی حکمِ شرعی ثابت نہیں ہوتا۔ اگر ساری دنیا کے عُلماء کسی حکم پر مُتّفق الرّائے ہو جائیں مگر اس رائے کی کتاب وسُنّت سے کوئی سند نہ ہو تو یہ اجماع قطعاً لاحاصل ہے۔ اس سے کوئی حکمِ شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔ اجماع کی افادیت صرف یہ ہے کہ کتاب یا سُنّت سے کوئی حکم سمجھ میں آتا ہو مگر اس کا ثبوت مشکوک یا ظنّی ہو تو اجماع اس کے ثبوت کو قطعی بنا دیتا ہے۔ مثلاً مَسح عَلَى الخُفَّین کا جواز حدیث سے ثابت ہے مگر ثبوت ظنّی ہے نیز احتمالِ نسخ بھی پیدا ہوتا تھا لیکن اس کے جواز پر اجماع ہوگیا تو حکمِ جواز قطعی ہو گیا اور نسخ و عدمِ جواز کا احتمال بھی باقی نہ رہا۔

ان حضرات کی رائے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ شریعتِ اسلامیہ کو بھی ملک وار تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ شریعتِ اسلامیہ نسلی و جغرافیائی حدود و قیود سے آزاد ہے۔

یہ اجماع کا فقہی اور شرعی مفہوم ہے مگر ان دانشور حضرات نے اسے نظر انداز فرما کر اجماع کا لُغوی مفہوم پیش نظر رکھا اور اس غلط تصوّر کی بنیاد پر ایک "پاکستانی اجماع" کا اجنبی تصوّر پیش کیا ہے جس کی شریعتِ اسلامیہ میں کوئی گنجائش نہیں اور جو کسی حالت میں بھی حُجّتِ شرعی نہیں بن سکتا۔

یہاں یہ نکتہ قابلِ ذکر ہے کہ اجماعِ شرعی کا وجود درحقیقت صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت

تک پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد آج تک عملاً اس کا کوئی نام و نشان بھی نہیں ملا۔ بعض کتبِ فقہ میں جو بعض مسائل کے بارے میں یہ تحریر ملتی ہے کہ "اس پر اُمّت کا اجماع ہو گیا"، حالانکہ وُہ مسائل خلافتِ راشدہ کے دَورِ مذکور میں سامنے پیش آئے تھے، تو یہ محض تسامح ہے۔

اِس سے وُہ حضرات اجماعِ شرعی مُراد نہیں لیتے بلکہ علمار کی کثیر تعداد کا اس حکم کے بارے میں متّفق الرائے ہونا مُراد لیتے ہیں۔ اس لئے ان عبارتوں سے کوئی غلط فہمی نہ پیدا ہونا چاہیے۔

زمانۂ مذکور کے بعد اجماع کا کوئی وجود نہیں ہوا اَور نہ اَب عادتاً ممکن ہے۔ اس کے حصول کی کوشش بھی اَز رُوئے شریعت قطعاً غیر ضروری بلکہ سعی لا حاصل ہونے کی وجہ سے فعلِ عبث اور نامناسب ہے۔

ان بزرگانِ قوم کو حصولِ اجماع کی جو فکر لاحق ہو گئی ہے انہیں اس کا بار اپنے ذہن سے دُور کرنا چاہیے۔ اجماع حاصِل نہ ہونے سے ہمارا کوئی دینی یا دُنیوی نقصان نہیں ہے اس لئے اس کے حصُول کی فکر و کوشش ترک کر دینا چاہیے۔

نفاذِ فقہ کا مسئلہ :

شریکِ مذاکرہ دانشور حضرات نے پاکستان میں نفاذِ شریعت کے مسئلہ کو بھی چھیڑا۔ اس سلسلہ میں یُوں اِرشاد فرمایا :

۱ : "پاکستان کے پبلک لاز میں جو اختلاف و امتیاز ہے وُہ اصُولاً غلط ہے۔ اس کے ساتھ ہی مَیں اِس حق میں نہیں ہوں کہ اکثریت کی فقہ کو تمام شہریوں پر نافذ کر دیا جائے۔ ابھی حال ہی میں یہ مطالبہ ہوا کہ چُونکہ پاکستان میں اکثریت فقہ حنفی کے ماننے والوں کی ہے لہٰذا ہمارے تمام پبلک لاز حنفی فقہ کے مطابق ہونے چاہییں۔ ہمارے ہمسایہ ملک میں غالباً انہوں نے ایک فقہ کا نفاذ کیا ہے لیکن ہمارے یہاں حالت کچھ ایسی ہے کہ تعداد خواہ کچھ ہی ہو مَیں اس بحث میں نہیں جانا چاہتا کیونکہ مختلف دعوے کئے جا سکتے ہیں۔ مختلف مسلمان فرقے اَور دُوسرے مذہبوں کے لوگ آباد ہیں۔ ان سب پر ایک فرقے کی فقہ لاگو نہیں ہو سکتی۔"

۲ : "چُونکہ تمام فقہوں کے پیروکاروں نے متّفق ہو کر قائدِ اعظم کی قیادت میں پاکستان کے لئے قربانیاں دیں اَور اسے قائم کیا۔ لہٰذا مَیں اس رائے سے متّفق نہیں ہوں کہ محض اس بناء پر

کہ چونکہ پاکستان میں اکثریت فقہ حنفی کی ہے لہٰذا ہم دوسروں لوگوں کے احساسات یا ان کے جذبات کو رد کرتے ہوئے ایسے پبلک لاز نافذ کریں جن سے ان کی دل شکنی ہو یا وہ ان کو دل سے نہ قبول کریں تو پھر اسلامائزیشن کا جو عمل ہے وہ ہمارے اندر اتحاد و یگانگت پیدا کرنے کی بجائے افتراق اور نفرت کو اُستوار کرے گا۔"

یہ مذاکرہ میں حصہ لینے والے ایک دانشور کی تقریر ہے جسے دُوسرے شرکاءِ مذاکرہ کی تائید حاصل ہے۔ زورِ خطابت اور اسلوبِ بیان پر نظر کیجئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ماحصل مذاکرہ یہی مضمون ہے۔ اس ماحصل کا حاصل جو غالباً مقصودِ مذاکرہ تھا، اس طرح بیان فرمایا گیا :

۳ : " پاکستان میں ہم شریعت کے نفاذ کو قابلِ عمل بنانے کے لئے ایک مشترکہ فقہ وضع کرنے کی کوشش کیوں نہ کریں"......

۴ " آج تک خوش قسمتی سے یہ الزام نہیں لگایا گیا کہ جو پانچ فقہیں ہیں ان میں سے کوئی بھی غیر اسلامی یا غیر شرعی ہے "......

پھر اور صفائی سے ارشاد ہے :

۵ : " کیونکہ ہمارے اُوپر کوئی پابندی نہیں ہے کہ ہم حنفی ہوتے ہوئے فقہ جعفری یا حنبلی یا شافعی یا مالکی کی کوئی چیز اخذ نہ کر سکیں ۔ اسی طرح فقہِ جعفریہ کے جو معقول حضرات ہیں اگر حنفی فقہ میں کوئی چیز زیادہ معتبر اور قرآن و سُنّت کے مطابق ہے تو وہ اُسے قبول کریں۔"

اندازِ بیان غماز ہے کہ انعقادِ مذاکرہ کی غرض و غایت اس چیز کی تبلیغ تھی کہ اہلِ سُنّت ، فقہ اسلامی میں نام نہاد فقہ جعفری کی پیوندکاری منظور کر لیں۔

تبصرہ :

شرکاءِ مذاکرہ دانشور حضرات کے جو اقوال و آراء میں نے اُوپر نقل کی ہیں انہیں سہولت فہم کے لئے چند حصّوں میں تقسیم کر کے ہر حصے پر نمبر ڈال دیئے ہیں تاکہ تبصرہ میں پُوری عبارت نقل کرنے کی ضرورت نہ رہے اور اختصار سے ساتھ اشارہ کافی ہو جائے۔ اب ہم نمبروار ان پر گفتگو کرتے ہیں :

۱ــــ جمہوریت کے حامی دانشور صاحب نے اس جمہوری قاعدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ اکثریت کا فقہ نافذ کیا جائے۔ مؤصوف نے یہ بھی تسلیم کیا کہ ایران میں حکومت نے شیعوں کی اکثریت کا دعویٰ کر کے

شیعی فقہ نافذ کیا ہے ۔ مگر یہ کہہ کر " میں اس بحث میں نہیں جانا چاہتا " ، اس دلیل کو ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیا ۔ میں ان دانشور صاحب سے یہ پوچھتا ہوں کہ پھر کیا اقلیت کا فقہ نافذ کرنا قرینِ عدل و انصاف اور جمہوریت و اسلامیت کا تقاضا ہوگا ؟ یہ دانشور صاحب خود کہتے ہیں کہ اس ملک میں " مختلف مسلمان فرقے اور دوسرے مذہبوں کے لوگ آباد ہیں " تو پھر کیا ہر فرقہ کا فقہ نافذ کرنا چاہیئے ؟ ایسے ملک میں جہاں متعدد فرقے آباد ہوں ۔ نظامِ حکومت قائم ہونے کی عقلاً دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں ۔

پہلی صورت یہ ہے کہ کوئی مذہبی قانون نافذ ہی نہ کیا جائے اور نظامِ حکومت سیکولر ہو ۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اکثریت کی شریعت اور اس کے فقہ کو نافذ کیا جائے ، اقلیتوں کا " پرسنل لاء " محفوظ رہے ۔ لیکن " پبلک لاء " اکثریت کے فقہ کی بنیاد پر نافذ کیا جائے ۔

کسی اقلیت کا فقہ نافذ کرنا یا اکثریت کے فقہ میں اس کی پیوندکاری کرنا ، اکثریت کی حق تلفی ، اس پر ظلم اور اصولِ جمہوریت کے بالکل منافی ہے ۔ اس کے علاوہ اصولِ حکمرانی کے خلاف اور سیاسی و انتظامی سفاہت بھی ہے ۔

موصوف کی یہ دلیل کہ " پاکستان میں مختلف مسلمان فرقے اور دوسرے مذہبوں کے لوگ آباد ہیں ان سب پر ایک فرقے کی فقہ لاگو نہیں ہو سکتی " ، بہت ہی کمزور اور بے جان ہے ۔ اگر اس استدلال کو صحیح مان لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ پبلک لاء میں ہر مدعی اسلام فرقے اور ہر مذہب کا فقہ شامل کیا جائے ۔ اقلیتوں میں یہاں صرف شیعہ " اثنا عشری " ہی نہیں ہیں بلکہ " آغا خانی " شیعہ ، " داؤدی " شیعہ ، ان کے علاوہ " ذکری " ، " مہدوی " وغیرہ بھی آباد ہیں جو مسلمان ہونے کے مدعی ہیں ۔ پھر ان سب کی فقہ کو شامل کرنا چاہیئے یہی نہیں بلکہ موصوف کی دلیل سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ " ہندو دھرم شاستر " اور " یہودی تالمود " ، نیز " مسیحی و بہائی " فقہ کو بھی شامل کر کے " اکبر کے دینِ الٰہی " کی طرح " معجونِ مرکب " تیار کیا جانا چاہیے ۔ یہ مرکب جو کچھ بھی ہو مگر اسلامی قانون نہیں ہو سکتا ۔ آخر یہ شیعہ اثنا عشری ہی کی کیا خصوصیت ہے کہ ان کا نام نہاد فقہ " اسلامی فقہ " قرار دیا جائے اور پبلک لاء کا جزو بنایا جائے ؟

۲ ـــ دانشور حضرات کی یہ دلیل بھی عجیب و غریب ہے کہ چونکہ پاکستان بنانے میں سب فقہوں کی پیروی کرنے والے شریک رہے ہیں اس لئے ہر ایک کا فقہ نافذ ہونا چاہیے تو گزارش ہے کہ پاکستان بنانے میں ذکری ، مرزائی ، آغا خانی ، بلکہ مسیحی اور یہود بھی شریک رہے ہیں تو کیا ان سب کو اس کا حق ہے کہ اپنے اپنے فقہ نافذ

کرنے کا مطالبہ کریں ؟ اگر نہیں تو اثنا عشریوں کی کیا خصوصیت ہے ؟ اور نام نہاد فقہ جعفری کی رعایت کیوں کی جائے ؟

ان حضرات کی دلیل مذکور کی کمزوری ظاہر کرنے کے بعد ان کی اور ان کے ہمخیال حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ آپ نے اپنے رہوار دلیل کی جولانی کے لئے میدان محدود اور تنگ کر دیا۔ اس رہوار کو ذرا وسیع تر میدان میں جولاں کیجئے پھر دیکھئے کہ یہ کس منزل تک پہنچاتا ہے۔ اس سوال پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس خطے کو پاکستان یعنی مسلم اسٹیٹ کیوں بنایا گیا ؟ برّصغیر کے کسی دوسرے حصّے کو یہ شرف کیوں نہ ملا ؟ وجہ ظاہر ہے کہ اس خطے میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اس لئے اسے پاکستان بنایا گیا مگر اکثریت کس کی تھی ؟ یہ کثرت صرف اہلِ سُنّت کی تھی، جس کی وجہ سے پاکستان قائم ہوا اور جس کی وجہ سے باقی ہے۔ اہلِ سُنّت ہی قیامِ پاکستان نیز اس کی بقاء کا اصل سبب ہیں اس لئے ان دانشوروں کی دلیلِ مذکور سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہاں صرف سُنّی فقہ نافذ ہونا چاہیے، فقہ جعفریہ وغیرہ نہیں شیعہ یا اور کسی مذہب کے فقہ کی کوئی گنجائش نہیں اور اہلِ سُنّت کے سوا کسی گروہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ایسے فقہ کے نفاذ یا سُنّی فقہ میں اس کی آمیزش یا کسی رعایت کا مطالبہ کرے۔

دلیل مذکور کو سامنے رکھ کر ذرا نظر کو اور وسیع کیجئے، پنجاب، سندھ، سرحد، بلوچستان، یہ سب خطے ایک زمانہ میں کفرستان تھے انہیں اسلامستان کس نے بنایا ؟ یہاں اسلام کس نے پھیلایا ؟ وہ فاتح کون تھے جنہوں نے اپنی شمشیر خارا شگاف سے کفر کے حصاروں کو توڑ کر اسلام کی روشنی اس ملک میں پہنچائی؟ یہ داعی الی اللہ کون تھے جنہوں نے ایمان و اسلام کے آبِ حیات سے یہاں کے مُردہ دلوں کو نئی زندگی بخشی؟ یہ بدیہی اور مُسلّمہ حقیقت ہے جس کا انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ سب سُنّی تھے۔ وہ دینِ اسلام اور ملّتِ اہلِ سُنّت کے متبع اور اسی کی طرف داعی تھے۔ آفتاب سے زیادہ روشن یہ حقیقت ہے کہ پاکستان کے بانی اور اسے قائم کرنے والے اہلِ سُنّت اور صرف اہلِ سُنّت تھے اگر ان کی مساعی نہ ہوتیں تو پاکستان کا تصوّر تو کیا وسوسہ بھی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ اس لئے انہیں کا مسلک اور فقہ اس سرزمین پر نافذ ہو سکتا ہے۔ تاریخ کی اس بدیہی حقیقت کو بھی سامنے لانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغِ اسلام میں تو شیعوں کا ذرّہ برابر بھی حصّہ نہیں ہے لیکن جب یہاں اسلام پھیل گیا اور مسلمانوں کی کثرت ہو گئی تو شیعہ باغیہ اثنا عشریہ وغیرہ نے آکر الحاد و زندقہ پھیلانے کی کوشش کی اور دین سے ناواقف نومسلموں کی ایک معتدبہ تعداد کو اسلام سے پھیر کر کفر کی طرف واپس لے آئے اور طرح طرح کی فریب کاریوں سے بہتوں کو مُرتد بنایا۔

فقہ جعفری اِسلامی فقہ نہیں :

۴ ایک دانشور نے اس مذاکرے میں یہ دعویٰ فرمایا ہے کہ بقول ان کے "جو پانچ معروف فقہیں ہیں ان میں سے کسی کو بھی کسی نے غیر اسلامی یا غیر شرعی نہیں کہا ہے۔"

جہاں تک فقہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کا تعلق ہے، تو بیشک یہ سب اِسلامی فقہ اور شریعت اِسلامیہ کی صحیح تعبیر ہیں لیکن فقہ جعفری کو اسلامی فقہ کہنا بالکل غلط ہے۔ یہ نام نہاد فقہ قطعاً غیر اسلامی اور غیر شرعی ہے نیز یہ معروف بھی نہیں ہے۔ اسے اہلِ اسلام یعنی اہلِ سُنّت نے کبھی اسلامی فقہ تسلیم نہیں کیا۔ شرق سے غرب اور شمال سے جنوب تک دُنیائے اسلام میں جستجو کریجئے ایک سُنّی بھی آپ کو جعفری یا باقری نہیں ملے گا جبکہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی مسلک رکھنے والے ساری دُنیا میں کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔

مشہور ظالم و جابر ایرانی شیعہ بادشاہ نادر شاہ نے اپنے زمانہ میں ایران کے اہلِ سُنّت سے فقہ جعفری کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے پر ہر چند اصرار کیا مگر اہلِ سُنّت نے جان و آبرو کے خطرات برداشت کر کے اس حکم پر عمل کرنے سے صاف اِنکار کر دیا اور فقہ جعفری کو اسلامی فقہ کہنے اور اس پر عمل کرنے پر کسی طرح تیار نہ ہوئے۔ یہ امتیاز تو صرف پاکستان کی شیعہ نوازی ہی کو حاصل ہوا کہ اس کے بعض سُنّی نما شیعہ اور شیعیت نواز اربابِ حل و عقد نے اسے اسلامی فقہ اور اسلامی شریعت کی تعبیر کہہ کر متعارف کرانے کی ناکام و لاحاصل کوشش کی۔ اگر ان سُنّی حضرات کو نام نہاد فقہ جعفری کے اِسلامی ہونے کا احتمال اور شبہ بھی ہوتا تو غالباً اِس شدّت کے ساتھ اسے قبول کرنے سے اِنکار نہ کرتے۔ لیکن وُہ قطعی طور پر سمجھتے تھے کہ یہ شیعی فقہ ہے، یہ اسلامی فقہ نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

یہ بات بہت افسوسناک ہے کہ ان دانشور حضرات نے نام نہاد فقہ جعفری کا مُطالعہ کئے بغیر فقہ اسلامی میں اسکی پیوندکاری کی سفارش فرما دی اور اسے اِسلامی کہنے لگے۔ حالانکہ جمہور اہلِ سُنّت اسے قطعاً غیر اسلامی بلکہ مخالف و منافی اسلام جانتے ہیں۔

فقہ جعفری کی حقیقت :

جناب جعفر صادق رحمۃ اللہ کا نہ کوئی مخصوص فقہ تھا نہ اس کی کوئی تدوین ہوئی۔ نام نہاد فقہ جعفری سے

ادنیٰ تعلق بھی نہیں۔ یہ تو اُن کی وفات سے صدیوں بعد وضع کیا گیا ہے۔ ممتاز شیعی عالم علامہ یعقوب کلینی اور اُن کے رُفقاء کا وضع کردہ خود ساختہ فقہ ہے۔ جناب جعفر صادقؒ اس سے بالکل بری ہیں۔ شیعوں کی مشہور اور اُن کی معتمد کتاب الکافی کے دو حصے ہیں۔ "اصُول کافی" اور "فروع کافی"۔ یہ دونوں یعقوب کلینی کی طبع زاد تصنیفیں ہیں۔ نام نہاد فقہ جعفری انہیں دونوں کے مضمون سے عبارت ہے۔ اور یہی دونوں کتابیں (بلکہ ایک کتاب کے یہ دونوں حصے) اِس نام نہاد فقہ کا خزینہ ہیں۔ اِن دونوں کو اگر خورد بین سے دیکھا جائے تو بھی شاید ہی ان میں کوئی روایت یا کوئی فتویٰ ایسا ملے جس کا انتساب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کیا گیا ہو۔ ان میں سب روایتیں اور سب مسائل جناب جعفر صادقؒ یا شیعوں کے دوسرے مزعومہ ائمہ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں بلکہ ان کی اکثر و اغلب تعداد کی انتہا صرف جناب جعفر صادقؒ پر ہوتی ہے اور وہ حسب شیعہ عقیدہ احکامِ شرعیہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے حاصل کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کی انہیں ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ ائمہ کا مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہے اور ان پر بھی براہِ راست اللہ تعالیٰ کے احکام نازل ہوتے ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ)۔

اصول کافی کتاب الحجۃ ج: ا میں یہ روایت ملاحظہ ہو:

عن محمد بن مسلم قال سمعت اباعبدالله عليه السلام يقول الائمة بمنزلة رسول الله صلى الله عليه وسلم الا انهم ليسوا بانبياء و لا يحل لهم من النساء ما يحل للنبى صلى الله عليه وسلم فاما ما خلا ذلك فهم فيه بمنزلة رسول الله صلى الله عليه وسلم۔	محمد بن مسلم سے روایت ہے کہ میں نے سُنا ابوعبداللہ علیہ السلام (یعنی جناب جعفر صادقؒ) کو یہ کہتے ہوئے کہ ائمہ کا مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہے مگر یہ کہ وہ انبیاء نہیں ہیں اور اُن کے لئے اتنی عورتوں سے نکاح جائز نہیں جتنی عورتوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جائز تھا مگر ان کے علاوہ دوسرے امور میں ان کا درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہے۔ (العیاذ باللہ)

شیعوں کی اس قسم کی روایتیں اور بھی ہیں۔ بخوفِ طوالت ہم نے سب روایتیں نقل نہیں کیں۔ یہی شیعوں کا مذہب اور اُن کا ایک بنیادی عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ اسلامی عقیدۂ ختمِ نبوّت کے بالکل منافی اور اس سے متصادم ہے اور اہلِ اسلام یعنی اہلِ سُنّت کے نزدیک یہ کھلا ہُوا کفر ہے۔

شیعوں کے اس عقیدے پر نظر کرنے کے بعد ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ " اصول کافی اور فروع کافی " میں جناب جعفر صادقؒ یا شیعوں کے دیگر مزعومہ ائمہ کی طرف نسبت کرکے جو منقول ہے اسے کتاب و سُنّت سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ فقہ جعفری نہیں بلکہ درحقیقت شیعوں کی خانہ ساز مستقل شریعت ہے جو کلینی وغیرہ نے شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیہ کے مقابلے میں وضع کی ہے۔ جناب جعفر صادقؒ کو اس سے کوئی بھی تعلق نہیں۔ ان کے ذہن میں اس کا کبھی وسوسہ بھی نہ آیا ہوگا۔ موضوعہ روایات اور خانہ ساز یا مسترقہ مسائل واحکام کے جس مجموعہ کو آج فقہ جعفری کے نام سے متعارف کرایا جارہا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ شریعتِ شیعیہ ہے جو شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیّۃ کے خلاف بغاوت ہے۔ اگر حکومت اس کے کسی جزو کا نفاذ کرتی ہے تو وہ شریعتِ اسلامیہ مقدسہ کے خلاف بغاوت کے گناہِ عظیم میں شرکت کرتی ہے۔ والعیاذ باللہ!

جہاں تک شخصی قانون (پرسنل لاء) کا تعلق ہے تو جملہ مذہبی گروہوں کو اپنی اپنی شریعت پر عمل کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے لیکن قانونِ عام میں صرف شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الف من التحیہ ہی پر عمل ہونا چاہیئے۔ کسی دوسری شریعت اور کسی دوسری فقہ کا سایہ بھی اس پر نہ پڑنا چاہیے۔ اہلِ سُنّت میں اگر غیرتِ ایمانی کا تھوڑا سا بھی حصّہ باقی ہے تو وہ فقہ اسلامی میں فقہ جعفری کی پیوندکاری کسی قیمت پر گوارا نہیں کرسکتے۔

ان دانشور حضرات نے اس بنیادی اصولِ فقہ کو اپنی بحث اور اپنے غور و فکر کا بنیادی اصول بتایا ہے کہ:

" قرآن حکیم اور اُسوۂ حسنہ اسلامی قانون کے ماخذ اصلیہ ہیں " ....

.. صول جزو ایمان اور اس کی صداقت وصحت میں کسی مسلمان کو کلام کی گنجائش نہیں ہوسکتی۔ یہ اسلامی فقہ کا اساسی اصل اور اس کا جزو اعظم ہے۔ اس اصول کو مستحضر فرماکر ذرا یہ دانشور حضرات اور اُن کے ہم نوا نام نہاد فقہ جعفری پر نظر کریں گے تو اُن پر یہ ناخوشگوار حقیقت منکشف ہوگی کہ اس نام نہاد فقہ کی بنیاد اور اساس اس اصول کی نفی اور اس کی حقانیت سے انکار پر قائم ہے۔ ظاہر ہے کہ احکامِ عملیہ کی اساس عقائد ہوتے ہیں۔ شیعہ اثنا عشری قرآن مجید پر ایمان نہیں رکھتے۔ صحابۂ کرامؓ کو معاذاللہ منافق کہنے اور اُن سے عداوت رکھنے کی وجہ سے ہماری

احادیثِ صحیحہ کے کلیۃً منکر ہیں۔ اس کے بعد فقہ جعفری کے اسلامی ہونے کی کیا صورت ہے؟ اسے اسلامی کہنا اسلام کی توہین اور اس کے مفہوم میں تحریف ہے جو بلاشبہ سخت گمراہی اور معصیت ہے۔ شیعوں کا ایمان قرآن مجید پر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور (معاذاللہ) تحریفِ قرآن کا عقیدہ شیعہ مذہب کا ایک بنیادی عقیدہ ہے اور اس کی اہمیت ان کے نزدیک اتنی زیادہ ہے کہ ایک مشہور و معروف اور شیعوں کے مقتدا علامہ حسین ابن تقی النوری طبرسی نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے: "فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب ربّ الارباب"۔ اس میں انہوں نے شیعی احادیث اور اقوالِ ائمہ مزعومہ کے انبار لگا کر یہ ثابت کیا ہے کہ از روئے مذہبِ شیعہ اثنا عشریہ قرآن مجید میں (معاذاللہ) تحریف ہوئی ہے اور موجودہ قرآن (معاذاللہ) قابلِ اعتبار و اعتماد نہیں۔

اس مضمون میں پوری تفصیل تو نہیں لکھی جا سکتی البتہ چند سطریں نقل کرتے ہیں جو اثباتِ مدعیٰ کے لئے کافی وافی ہیں اور ان سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ شیعوں کا عقیدہ قرآن مجید کے بارے میں کیا ہے؟ نیز یہ کہ قرآن مجید پر ان کا ایمان قطعاً نہیں ہے بلکہ وہ اس کے دشمن اور مخالف ہیں۔ علامہ طبرسی کتاب مذکور میں لکھتے ہیں:

الامر الرابع ذکر اخبار خاصۃ فیہا دلالۃ أو إشارۃ علی کون القران کالتوراۃ و الانجیل فی وقوع التحریف و التغییر فیہ و رکوب المنافقین الذین استولوا علی الامۃ طریقۃ بنی اسرائیل فیہما و ہی حجۃ مستقلۃ لاثبات المطلوب. (اھ)

فصل الخطاب ص: ۷، طبع ایران ۱۲۹۸ء

"اور چوتھی بات ان روایات کا تذکرہ ہے جو صراحتاً یا اشارۃً یہ ظاہر کرتی ہیں کہ تحریف اور تغیّر و تبدّل واقع ہونے میں قرآن بھی تورات و انجیل ہی کے مماثل ہے اور جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جو منافقین اُمّت پر غالب آگئے تھے اور اُن کے حاکم بن بیٹھے تھے انہوں نے وُہی طریقہ اختیار کیا جسے بنی اسرائیل نے اختیار کر کے تورات و انجیل میں تحریف کی تھی۔ اور یہ ہمارے دعویٰ (تحریفِ قرآن) کی مستقل دلیل ہے"!

وہ سُنی حضرات جو اس غلط فہمی میں مُبتلا ہیں کہ نام نہاد فقہ جعفری بھی کوئی اِسلامی فقہ ہے یا اسے حنفی، مالکی وغیرہ سُنی فقہ کے پہلو میں جگہ دیتے ہیں، غور کریں کہ جس فقہ کی بُنیاد قرآن مجید میں مَعاذ اللہ تحریف کا باطل اور سراپا کفر و ضلال عقیدہ ہو، کیا اسے اِسلامی کہنا خود اِسلام سے اپنی بے تعلقی کا اظہار نہیں ہے؟ کیا ایسا فقہ اسلام یا اِسلامی ہو سکتا ہے؟۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ فقہ جعفری قطعاً اِسلامی نہیں ہے۔

اِس مذاکرے میں ایک بزرگ نے بڑی سادگی سے ارشاد فرمایا:

"حالانکہ صرف ایک خلافت و امامت کے مسئلے کے سوا شیعہ فقہ ہر مسئلے میں یا حنفی فقہ سے ملتی ہو گی یا شافعی سے یا حنبلی یا مالکی سے"........ اھ

گزارش یہ ہے کہ جب آپ کے بقول "شیعہ فقہ" کے مسائل اہلِ سُنت کے کسی نہ کسی فقہ سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں تو فقہِ اسلامی میں نام نہاد فقہِ جعفری کی پیوندکاری کی ضرورت ہی کیا باقی رہتی ہے؟ اور شیعوں کو اسلامی فقہ میں اس اجنبی چیز کی آمیزش پر کیوں اِصرار ہے؟ کیونکہ وہ عبادات وغیرہ انفرادی اعمال کو چھوڑ کر اجتماعی اور عام قوانین میں تو وہ کسی نہ کسی سُنی فقہ پر عمل کرتے ہی ہیں جیسا کہ آپ کے قول سے لازم آتا ہے۔ پھر اس میں ان کا کیا حرج ہے کہ فقہِ حنفی نافذ کیا جائے اور قانونِ عام کی تعمیل کرتے رہیں جیسے اس وقت پاکستان وغیرہ میں ملکی قوانین کی تعمیل کرتے ہیں پاکستان ایک سُنی ملک ہے۔ اس میں سُنی فقہ ہی کا نفاذ ہو سکتا ہے۔ مسلمان قطعاً اسے گوارا نہیں کر سکتے کہ نام نہاد فقہ جعفری یا اس قسم کے کسی غیر اسلامی فقہ کی اس میں پیوندکاری کی جائے۔

شیعہ قطعاً دائرۂ اِسلام سے خارج ہیں۔ ان کی فقہ کی بُنیاد کتاب و سُنت کے اِنکار پر ہے۔ اسے اِسلامی فقہ کے ساتھ منسلک نہیں کیا جا سکتا کہ جس کی بنیاد کتاب و سُنت پر ایمان و یقین کے ساتھ قائم ہے۔ اِسلام میں کُفر کی آمیزش نہیں کی جا سکتی۔

اِن دانشور حضرات کا فرض تھا کہ نفاذِ فقہ کے مسئلے پر اپنی رائے قائم کرنے سے پہلے نام نہاد فقہ جعفری کا مطالعہ کرتے۔ اگر وہ "اصول کافی" ہی کو دیکھ لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ اس میں معاذ اللہ تحریفِ قرآن کی کتنی روایتیں ہیں جن کی صحت و صداقت پر شیعہ ایمان رکھتے ہیں۔ ان روایتوں سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ شیعوں کا ایمان قرآن مجید پر نہیں ہے لیکن اس سے قطع نظر یہ بات تو ان دانشوروں کے مشاہدہ میں آئی ہو گی کہ شیعوں کا کلمہ بھی الگ ہے اور ان کی نماز، زکوٰۃ، ان کا روزہ اور حج سب اہلِ سُنت سے جُدا ہیں۔ کسی چیز میں بھی وحدت و یگانگت نہیں۔ اس کے باوجود ان حضرات کا شیعہ سُنی اختلافات کو نظر انداز کرنا اور نام نہاد فقہِ جعفری کی

فقہِ اسلامی میں پیوندکاری کرنے کی خواہش کرنا کس قدر افسوسناک ہے۔

امامت کے مسئلے میں شیعہ سُنّی اختلاف کا اقرار تو ان دانشوروں کو بھی کرنا پڑا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ کیا یہ اختلاف کچھ کم ہے؟ میں واضح کر چکا ہوں کہ شیعوں کا عقیدۂ امامت عقیدۂ ختمِ نبوّت کے خلاف اور اس کے انکار کو مستلزم ہے۔ اور لزوم بھی بالکل ظاہر ہے۔ بلکہ عقیدۂ امامت درحقیقت ختمِ نبوّت کے انکار ہی کیلئے وضع کیا گیا تھا۔ کیا عقیدۂ ختمِ نبوّت کا انکار کفر نہیں؟ پھر کیا شیعہ سُنّی اختلاف کفر و اسلام کا اختلاف نہیں؟ اور کیا یہ معمولی اور خفیف اختلاف ہے؟ اگر یہ اختلاف بھی خفیف ہے تو شدید اور بنیادی اختلاف کسے کہتے ہیں؟ پھر قادیانیوں کے ساتھ اس اختلاف کو آپ بنیادی اور شدید اختلاف کیوں کہتے ہیں؟۔

سُنّت کی تعبیرِ نَو :

ایک دانشور نے ڈاکٹر گورایہ صاحب کی کتاب مذکور پر تبصرہ کے دوران اس کے حوالے سے ارشاد فرمایا :

" اگلے ابواب سُنّت کے تصوّر کی تعبیرِ نَو کو بیان کرتے ہیں۔ ص : ۸۷ پر سُنّت کی تعریف یہ کی گئی ہے :

" یہ ایک نمونۂ عمل ہے اور مثالی اُسوۂ حسنہ ہے۔" ....

ڈاکٹر گورایہ ص : ۹۲ پر سُنّت کی مزید تشریح میں لکھتے ہیں :

" مندرجہ بالا تاریخی شہادتوں کی روشنی میں یقینی طور پر ایک اخلاقی، مثالی نمونۂ عمل اور ایک مسلّمہ معیاری اُسوۂ حسنہ موجود تھا جسے رسُولِ اکرم نے اُمّتِ مسلمہ میں متعارف کرایا تھا جو قدیم عرب کے معیارِ اخلاق سے واضح طور پر متمیّز تھا۔ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ سُنّت سے مراد ایک مثالی نمونۂ عمل ہے۔ اس لئے رسُول اللہ کا اخلاقی اور معیاری نمونۂ عمل " سُنّتِ رسُول " کی اصطلاح میں آپ کی حیات میں یا بعد میں ڈھلا، اہمیت نہیں رکھتا۔ جبکہ یہ تصوّر ابتداءِ اسلام ہی سے اُمّتِ مسلمہ میں جاری و ساری تھا۔ مزید برآں رسُول اللہ کا مثالی نمونۂ عمل اخلاقی اور دینی اصول پر مشتمل تھا اور اُن کا درپیش تاریخی واقعات پر اطلاق اصولوں کی طرح اَبدی نہ تھا۔"!

تبصرہ :

سُنّت کی جو تعریف و توضیح اس عبارت سے عیاں ہو رہی ہے وہ تحریفِ دین کی کوشش کی ایک واضح

مثال ہے۔ اس دانشور طبقے کے نزدیک سُنّت ایک مثالی (IDEAL) شئے ہے جسے افلاطون کی یوٹوپیا کی طرح مجرد صورت (ABSTRACT FORM) میں ذہن کی زینت بنانا چاہیے لیکن ہمیں اختیار ہے کہ ہم حالات زمانہ اور ماحول (ENVIRONMENT) اور مصالح وقتیہ کے لحاظ سے اس کی شکل متعین کریں اور جس سانچے میں مناسب سمجھیں اُسے ڈھال لیں (العیاذ باللہ) "نمونۂ عمل" ان صاحبان کے نزدیک کوئی "اہمیت نہیں رکھتا" اور "اس کا اطلاق اَبدی بھی نہیں ہے" کا مطلب یہ ہوا کہ کسی عمل کو ثابت بالسّنّۃ کہنے کے لیے ان کے نزدیک یہ ضروری نہیں کہ وہ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول بھی ہو۔ اسی طرح کسی عمل کو بدعت ثابت کرنے کے لیے ان صاحبان کے نزدیک موجود بدعت ہے اس کے ثبوت کے لئے کسی حدیث پیش کرنے کا مطالبہ کرنا بھی ناروا ہوگا۔ پس معیاری اُسوۂ حسنہ سے اسے مربوط ثابت کر دینا کافی ہے اور وُہ "معیاری اسوۂ حسنہ" وُہ ہے جو اس قسم کے دانشور حضرات اپنے اجتہاد سے مقرر کریں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ط کیا یہ اتباعِ شریعتِ مقدسہ کی بجائے اسے اپنے تابع بنانے کی کوشش نہیں ہے؟ مذاکرے میں اور کئی باتیں ایسی کہی گئی ہیں جو اسلامی طرزِ فکر اور سُنّی ذہن سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں اور قوم کو غلط راہ پر لگانے والی ہیں لیکن ان سب پر نقد و تبصرہ باعثِ طوالت ہے۔

مندرجہ بالا تبصرہ اس افسوسناک واقعہ کی نشاندہی کرنے کے لئے کافی ہے کہ ہماری قوم کا ایک طبقہ جو اسلام اور شریعتِ اسلامیہ پر "شبیبی ذہن" یا "سیکولر ذہن" سے غور کرتا ہے، شریعت کا نام لے کر شریعت اور اُس کے نفاذ سے گلو خلاصی اور اُسکی تحریف کی کوشش میں مصروف ہے۔ اور یہ بلا شبہ ایک سنگین قومی المیہ ہے۔

نئی مطبوعات

مرزائیت کے قلعہ کو مسمار کرنے کیلئے عظیم ہتھیار

- عقیدۂ ختمِ نبوّت علم و عقل کی روشنی میں -/۱۸ روپے
  مولانا محمد اسحٰق صدیقی
- اسلام اور مرزائیت مولانا محمد عبداللہ -/۱۲ روپے
- قادیانیوں کے دجل و فریب کے شکار مسلمانوں کو دعوتِ حق -/۲۵ روپے
  مولانا محمد عبداللہ

ان کا مطالعہ تحریکِ ختمِ نبوت کے ہر کارکن کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

مولانا محمد عبد الحق چوہان
گلشن معاویہ۔ رحیم یار خان

قسط اول

تلخ و شیریں

کئی دنوں سے ملکی اخبارات میں صحابۂ کرام کے خلاف عموماً اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف خصوصاً تاریخ کی مکذوبہ اور جعلی روایات کے اعتماد پر عدم اعتماد کا زہر آلود مواد شائع ہو رہا ہے۔ پچھلے دنوں روزنامہ جنگ لاہور کے ایک خصوصی ایڈیشن میں "ضیاء رشاد" کا ایک مضمون بعنوان "وطن عزیز میں اقتدار کیلئے "میوزیکل چیئرز" کا یہ نظام کب ختم ہوگا" شائع ہوا ہے۔ اس میں ضیاء رشاد ارباب اقتدار کے ایک خاص مذموم سیاسی طرز عمل کی تصویر کشی کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:

"پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو لگتا ہے کہ اسلامی تاریخ میں یہ سیاست امیر معاویہؓ سے شروع ہوئی تھی"۔ روزنامہ جنگ لاہور۔ ۱۵ جون ۱۹۸۸ء

اور اس وقت روزنامہ نوائے وقت بدھ مورخہ ۱۰ محرم ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۴ اگست ۱۹۸۸ء ہمارے پیش نظر ہے۔ اس میں محبّ سبائیت مودودی کا ایک مضمون بعنوان "امت مسلمہ کے لئے دو بہترین نمونے علیؓ اور حسینؓ" شریک اشاعت ہے۔ اس مضمون کی طرز تحریر سے ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ کسی امام باڑہ یا روافض کی کسی خاص مجلس میں مودودی نے یہ تقریر کی ہے۔ اس مختصر مضمون میں انہی نظریات اور خیالات کا اظہار کیا گیا ہے جو کہ مذموم زمانہ کتاب "خلافت و ملوکیت" میں مندرج ہیں جنگ جمل کے تذکرہ میں کہا گیا ہے کہ "خود حضرت عائشہؓ نے تسلیم کیا کہ حق حضرت علیؓ کے ساتھ تھا چنانچہ جنگ جمل کو یاد کر کے وہ رو پڑتی تھیں"۔ فتح و شکست کا فیصلہ وہاں کیا جاتا ہے جہاں جنگ واقع ہو۔ یہ تو ایک حادثاتی واقعہ ہے جو کہ حزب سبائیت کی زیر زمین سازش کے تحت واقع ہوا تھا۔ کیونکہ فریقین کے درمیان صلح کی بات مکمل ہو چکی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک بصیرت افروز خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں واضح طور پر اعلان کیا کہ

وانی راحل غدا فارتحلوا	میں صبح کوچ کرنے والا ہوں تم بھی
ولا یرتحلن احد اعان	میرے ساتھ چلو لیکن ایسا کوئی
علی عثمان بشیء	آدمی ہمارے ساتھ نہ چلے جس نے کسی

(اتمام الوفاء صـ۲۲۱)	طرح بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف حصہ لیا ہو۔

سبائیوں نے جب یہ حالت دیکھی تو سخت مایوس ہو گئے اور ان کو معلوم ہوگیا کہ مسلمانوں کا آپس میں یہ اتفاق ہماری موت پر منتج ہوگا اس لئے ان ائمہ ضلال نے مجلس مشاورت طلب کی اور اس رائے پر انہوں نے اتفاق کیا کہ مسلمان جب آپس میں جمع ہوں تو ان کے درمیان جنگ وجدال کی ایک ایسی آگ بھڑکا دو کہ ان کو سوچنے کا موقع بھی نہ ملے۔

فلما سمع السبائية (اصحاب	سبائیوں نے جب حضرت علی رضی اللہ
ابن سبا) مقالة علیؓ سقط فی	عنہ کا خطبہ سنا تو ان کے ہاتھوں سے
ایدیھم وراؤا ان ضرر	طوطے اڑ گئے اور انہیں یقین ہوگیا کہ یہ
ھذا الصلح انما یعود علیھم	صلح ان کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگی
لانہ ان تم کان علی قتلھم	اس لئے کہ اگر یہ صلح مکمل ہوگئی تو ان کی موت
وتشاوروا فیما یفعلون	پر ہی ہوگی۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ اس
لمنع ھذا الصلح فقال لھم	صلح کو کس طرح روکا جائے۔ ان کے منافق
رئیسھم الضال والدخیل	اور گمراہ امام نے کہا کہ اے قوم! تمہارا
فی الاسلام یا قوم ان عزکم	بچاؤ اس بات میں ہے کہ لوگوں کے اندر
فی خلطة الناس فاذا التقی	گھس جاؤ اور کل جس وقت یہ لوگ آپس
الناس غداً فانشبوا القتال	میں ملیں تو ان کے درمیان جنگ وجدال کی
ولا تفرغواھم النظر	آگ بھڑکا دو اور ان کو سوچنے کی مہلت
(اتمام الوفاء صـ۲۲۱، صـ۲۲۲)	بھی نہ دو۔

چنانچہ انہوں نے اپنے اس منصوبے کے تحت طلوع فجر سے قبل ہی اصحاب جمل پر حملہ کردیا۔ سیدہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ جو لوگ تھے انہوں نے یہ سمجھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے غداری کی ہے۔ اس غلط فہمی سے یہ تصادم ظہور پذیر ہوا اور اس وقت حقیقت حال کسی کو بھی معلوم نہ ہو سکی۔

ولا یشعر احد منھم بما	اور حقیقت واقعہ کا کسی کو بھی علم
وقع الامر علیہ فی نفس الامر	نہ ہو سکا۔

اور یہ سازش اس طرح منصوبہ بندی کے تحت مکمل کی گئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھی ایک آدمی متعین کر دیا گیا جب آپ نے اس تصادم کے متعلق دریافت کیا تو اس سبائی نے یہ جواب دیا کہ فریق ثانی نے شب خون مارا ہے

وسئل علی عن الخبر و کان السبئیۃ قد وضعوا عندہ رجلا یخبرہ اذا سئل فقال لہ ما شعرنا الا و قوم منھم بیتونا. (اتمام الوفاء ص۲۲۳)	حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حقیقت کے متعلق دریافت کیا اور سبائیوں نے آپ کے پاس اپنا ایک آدمی متعین کیا ہوا تھا کہ جب آپ اس واقعہ کے متعلق دریافت کریں تو آپ کو جواب دے۔ چنانچہ اسی سازش کے تحت اس سبائی نے جواب دیا کہ بے خبری میں فریق ثانی نے شب خون مارا ہے۔

یہ ہے جنگ جمل کی حقیقت۔ باقی رہی یہ بات کہ حضرت عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا جنگ جمل کو یاد کر کے رو پڑتی تھیں۔ بالکل درست۔ مسلمانوں کی آپس میں آویزش پر کون خوش ہوتا ہے۔ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ اس جنگ پر خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے تھے؟ اگر حق و باطل کا معیار اظہارِ افسوس ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے بھی زیادہ افسوس کا اظہار کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کے متعلق روایت ہے کہ

قال علی یوم الجمل وددت انی کنت مت قبل ھذا بعشرین سنۃ (ازالۃ الخفا ص۲۸۳ ج ۲)	حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے دن فرمایا کہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ میں اس واقعہ سے بیس سال پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو جاتا۔

اخذ قصاص کے جس مطالبہ کے باعث جنگ جمل کا حادثہ پیش آیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اصحاب جمل کے مؤقف کو تسلیم کرتے تھے۔ ابو سلامہ الدالانی نے آپ سے دریافت کیا تھا۔

اتری لھؤلاء القوم حجۃ فیما طلبوا من ھذا الدم ان کانوا ارادوا اللہ عزوجل	کیا (ان اصحاب جمل) کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اخذ قصاص کے مطالبہ پر حجۃ حاصل ہے اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی

بذلك قال نعم قال فتری لك حجة بتاخير ذلك قال نعم۔

(طبری صفحہ ۵۰۳ ج ۳)

رضا کا ارادہ رکھتے ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس نے پھر پوچھا کیا آپ کو اس معاملہ میں تاخیر کرنے پر بھی حجت حاصل ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔

جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود ہی تسلیم کرتے ہیں کہ اخذ قصاص کا مطالبہ ان کی طرف سے بلا حجت و دلیل نہیں بلکہ ان کے پاس ایسی حجت ہے کہ جس کی صحت حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ خود ہی تسلیم کرتے ہیں تو پھر حضرت عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کے عمل کو بالکل ہی باطل قرار دینا سراسر ہی گمراہی و ضلالت ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر کی اہلیہ محترمہ کا سانحۂ ارتحال

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر کی اہلیہ محترمہ اور مولانا زاہد الراشدی کی والدہ مکرمہ گزشتہ روز انتقال فرما گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ کی عمر ساٹھ برس سے زائد تھی۔ وہ کچھ عرصہ سے ذیابیطس کی مریضہ تھیں۔ آپ کی نماز جنازہ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ میں مولانا سرفراز خان صفدر نے پڑھائی جس میں ممتاز علماء کرام اور دینی کارکنوں نے ہزاروں کی تعداد میں شرکت کی۔ مرحومہ تمام عمر گھر میں بچوں اور بچیوں کو قرآن کریم حفظ و ناظرہ، ترجمۂ قرآن اور دینی کتابوں کی تعلیم دیتی رہیں۔ مجلس احرار اسلام کے مرکزی رہنما حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری، جناب محمد حسن چغتائی، سید عطاء المحسن بخاری اور ادارہ نقیب ختم نبوت کے تمام اراکین حضرت مولانا سرفراز خان صفدر، مولانا زاہد الراشدی اور دیگر تمام پس ماندگان سے اظہار تعزیت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور ذریعۂ آخرت بنائے (آمین)

رحیم یار خان میں "نقیب ختم نبوت" اور عالمی مجلس احرار اسلام کا دیگر لٹریچر ہم سے حاصل کریں

ابومعاویہ ملحق مدرسہ جامعہ فاروقیہ رحیم یار خان
حافظ محمد سعید قمر عثمان پارک فون ۴۹۱۵

لاہور میں "نقیب ختم نبوت" کا تازہ شمارہ ہم سے حاصل کیجیے!

چودھری بک ڈپو
اتحاد کالونی، مغلپورہ، لاہور

پروفیسر منیر احمد شامی

علماءِ دین کے لئے لمحۂ فکریہ!

پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کا مسلسل نام لینے والا، اس کے لئے حتی المقدر کوشش کرنے والا، اسلامی امت کا عظیم قائد ایک گہری اور گھناؤنی سازش کی بھینٹ چڑھ گیا، محبِ وطن افراد اور دینِ اسلام سے محبت رکھنے والے اس دل گداز سانحے پر غم کی تصویر ہیں۔ یہ ظلم عظیم ہے اور اس کے بڑے دُور رس نتائج برآمد ہوں گے۔ پاکستان کو کمزور کرنیوالی لادینی اور طاغوتی قوتیں شہید صدر جناب محمد ضیاء الحق کی اچانک رحلت پر خوش ہیں۔ اس لئے کہ اتحاد و یگانگت کا بدستور درس دینے والا اور زندگی کے ہر پلیٹ فارم پر اسلام کے نفاذ کی دستک دینے والا درخشندہ و تابندہ ستارہ ڈوب گیا۔ وہ گیارہ سال اپنی مخصوص روایتی شرافت اور نیکی کا مظاہرہ کرنے کے بعد پردۂ سکرین سے غائب ہو گیا ؎

زندگی انساں کی ہے مانندِ مرغِ خوش نوا شاخ پہ بیٹھا کوئی دم چہچہایا اُڑ گیا

مرحوم نے ہندوستان کے ناپاک عزائم سے خبردار رہتے ہوئے اپنے ملک کو بیرونی جارحیت اور خانہ جنگی سے بچایا۔ دشمنوں سے اختلافات کے باوجود دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ امور جہانبانی کی انجام دہی میں تحمل، بردباری اور عفو و درگزر کی اعلیٰ روایات قائم کیں۔

شہید صدر کے کار ہائے نمایاں میں کچھ ایسے اقدامات بھی ہیں جنہیں ان کے پیش رؤوں نے بالکل لائق توجہ نہ سمجھا۔ پاکستان جس پر آزادی کے فوراً بعد بیوروکریسی اور خود غرض سیاست دانوں کا غلبہ رہا، مغربیت کا پرچار نصف النہار پر رہا۔ اس لئے دینی حلقوں سے تعلق رکھنے والوں اور جید علمائے کرام کو درجۂ چہارم کے ملازمین کا سا درجہ دیا جاتا رہا۔ انہیں کم علم اور کم فہم گردانا گیا۔ ان کے دینی علم اور تجربے کو کوئی اہمیت نہ دی گئی۔ علماء کو ہر دَور میں نظر انداز کیا گیا۔ انہیں صرف نمازِ جنازہ

اور صلوٰۃ و دعا تک ہی محدود کیا گیا، اُن کے علمی تبحر، فکر اور تجربے سے استفادہ کرنے کو کبھی ضروری خیال نہ کیا گیا۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جیسے عظیم عالم دین کو جن کی پرخلوص کاوشوں سے صوبہ سرحد پاکستان کا حصہ بنا، جن کی شخصیت کے آگے وطن دشمن مُدبّروں نے گھٹنے ٹیک دیئے، جنہوں نے اتحاد اور وحدتِ فکر و عمل کا درس دے کر اُمتِ مسلمہ کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا، وطنِ عزیز کی آزادی کے بعد سیاسی ناخداؤں اور حکمران ٹولے نے اُنہیں بھی لائق توجہ نہ گردانا ؎

حُسن کے کِھلتے پھُول ہمیشہ بے دَردوں کے ہاتھ بکے
اور چاہت کے متوالوں کو دُھول ملی ویرانوں کی

دِل کے نازک جذبوں پر بھی راج ہے سونے چاندی کا
یہ دنیا کیا قیمت دے گی ہم سادہ دِل انسانوں کی

مرحوم ضیاء الحق (شہید) پاکستان کے واحد حکمران ہیں جنہوں نے خلوصِ دِل سے علمائے کرام کے مقام و مرتبہ کو تسلیم کیا۔ تہ دِل سے اُن کا احترام کیا۔ اُن کی آراء کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ اُن سے ملاقات کو اپنے لئے باعثِ فخر خیال کیا۔ دینی مدارس میں پڑھانے اور پڑھنے والوں پر نگاہ کرم کی۔ اُن کی ڈگریوں اور اسناد کو تسلیم کیا۔ دینی اداروں سے فارغ التحصیل علمائے کرام کو ملازمتیں فراہم کیں۔ ۲۹ مئی ۱۹۸۸ء کو اسمبلیوں کو کالعدم قرار دینے کے بعد جنرل صاحب نے علمائے کرام کو شریعت آرڈیننس کا مسوّدہ تیار کرنے کا کام تفویض کیا۔ محمّد ضیاء الحق صاحب کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ شریعت آرڈیننس کا نفاذ کرتے وقت علمائے کرام کو انہوں نے ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے ججوں کا مشیر مقرر کرنا منظور فرمایا اور ان کے لئے ڈپٹی اٹارنی جنرل تک کا عہدہ تجویز کیا۔ شہید ضیاء الحق کی علمائے کرام سے والہانہ عقیدت اور عزّت و احترام کا اس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت نہیں کہ انہوں نے مختلف مکاتبِ فکر کے علماء سے مشاورت کی اور اُن کی سفارشات کو عملی طور پر نافذ کر دیا۔

اہلِ پاکستان یہ توقع کر رہے تھے کہ مرحوم صدر کے نفاذِ شریعت کے عمل کے بعد دین سے شغف رکھنے والی پارٹیاں اور علماء، دینِ اسلام سے اپنی عقیدت کا عملی مظاہرہ کریں گے، شریعت کو نافذ کرنے میں حکومت کی پوری مدد فرمائیں گے۔ مگر افسوس ہے اُن دینی جماعتوں پر جنہوں نے مرحوم

کے اِس اقدام کو نہ صرف ناکافی کہا بلکہ شریعت کے نفاذ کی بھرپور مخالفت کی۔ اصولی طور پر تمام مکاتب فکر کے علماء نہ صرف جنرل ضیاء الحق کا ساتھ دیتے بلکہ اسلام کے نفاذ کے سلسلہ میں اس کے دستِ و بازو ثابت ہوتے۔ لوگوں پر شریعت کے نفاذ کو واضح کرتے اور مزید عملی اقدامات کی حکومت سے سفارش کرتے مگر بُرا ہو اُس خود غرضی کا۔ اُس بے ہنگم اور شُتر بے مہار سیاسی سوچ کا، اُس ناپختہ شعور کا جس نے بڑے اچھے اور جید علمائے کرام کو اسلام کی حمایت سے محروم کر کے جمہوریت کے مُشرکانہ نظامِ ریاست کا نمائندہ بنا دیا ہے

جس کی خاطر شبِ ظلمات کا سینہ چیرا
وہ حسیں چہرہ کسی اور کا خواہاں نکلا،

ہمیں اُن علماء کی عقلوں پر افسوس آتا ہے جو دینِ برحق کو چھوڑ کر مغربی جمہوریت کے راگ الاپ رہے ہیں۔ وہ صاف اور شفّاف پانی کو چھوڑ کر گدلے پانیوں میں اُتر گئے ہیں گار میں موتی ڈھونڈنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ اے کاش! وہ یہ امر ذہن نشین کرلیں کہ اسلام اپنے اندر ایک خاص پیٹرن کی آزادئ رائے اور اظہارِ رائے کی وسعت رکھتا ہے۔ مگر جمہوریت میں اسلام نہیں بقولِ اقبالؒ

جمہوریت اِک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں،
بندوں کو گِنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے
گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو،

دوسری جگہ یُوں کہا کہ ع کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانی نمی آید
(دو سو گدھوں کے مغز سے ایک انسان کا فکر پیدا نہیں ہوتا)

کسی بھی قوم اور معاشرے کو سُدھارنے اور سنوارنے کا کام فردِ واحد نہیں کر سکتا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام کے عملی نفاذ کا کام چوبیس گھنٹے میں ہو سکتا ہے وہ دَر اصل اصلاحِ معاشرہ کے اقدامات اور اُس کے نتائج سے واقف نہیں۔ اگر لوگوں کو درست کرنے کا عمل ایک فرد کے اختیار میں ہوتا تو کافی ممالک کا اخلاقی معیار اپنی بلندی پر ہوتا مگر عملاً ایسا نہیں ہو سکا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے عہد میں غلط جاگیردارانہ نظام کو ختم کر کے اسلامی رُوح بیدار کی مگر اُن کی وفات کے ساتھ ہی وہ اعلیٰ روایات مفقود ہو گئیں۔ اورنگ زیب عالمگیرؒ نے اسلام کا عملاً نفاذ

کیا۔ مگر موصوف کی آنکھ بند ہوتے ہی یہ عمارت دھڑام سے گر پڑی اور اخلاف نے اسے ملیامیٹ کر دیا۔ کسی حکمران کے ساتھ جب تک مضبوط جماعت نہ ہو جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرے۔ اُس وقت تک اسلام عملی صورت میں نافذ کرنا مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برِّ صغیر میں مستقل بنیادوں پر اسلام کا عملی نفاذ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

اِس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہم نے ضیاء الحق صاحب کے دَور میں اسلام کو عملی صورت میں نافذ کرنے کا قیمتی موقع گنوا دیا۔ پاکستان میں اسلام کا دعویٰ کرنے والی جماعتوں نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شہید صدر کے اسلامی اقدامات کو مضحکہ خیز قرار دیا۔ بعض نے ناکافی کہا، کسی نے اسے فرقہ واریت سے تعبیر کیا۔ اکثر نے اسے طوالتِ اقتدار کا نیا ہتھکنڈہ کہا۔ سیاسی شاطروں نے نہ صرف اُس کے اقدامات کو چیلنج کیا بلکہ اس کے خلاف اجتماعات منعقد کیے اور جلوس نکالے۔ شہید ضیاء الحق اسلام کا نفاذ کر کے اللہ کے برگزیدہ اور محبوب بندوں میں شامل ہوگیا اور سیاسی مفاد پرست شریعت کے نفاذ کی مخالفت کر کے دنیا اور آخرت میں ذلیل و رُسوا ہوگئے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ضیاء الحق صرف اسلام کا نام لیتا تھا مگر ہمیں خدشہ ہے کہ شاید پاکستان میں اسلام کے نفاذ کا نام لینے والا بھی وہ آخری حکمران ثابت ہوگا۔ کیونکہ اب کوئی مردِ جری نظر نہیں آتا جو حکومت کے ایوانوں میں نفاذِ شریعت کا علم بُلند کرے۔ ایک روایت میں ہے کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ نے جب امیر المومنین حضرت علیؓ کی شہادت کی خبر سُنی تو ٹھنڈی سانس لی اور کہا "اب عرب جو چاہیں کریں، کوئی انہیں روکنے والا باقی نہیں رہا۔" کچھ ایسی ہی صورتِ حال سے آج ہم دوچار ہیں۔ لادینی عناصر مسرور اور شاداں ہیں کہ اُن پر کوئی گرفت کارگر ثابت نہ ہو سکی۔ بیوروکریسی جس کے ہاتھ میں پاکستان کی قسمت ہے اپنی جڑیں مزید مضبوط کر رہی ہے۔

ایسے حالات میں علمائے دین پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ موجودہ اور مستقبل کے حکمرانوں پر اسلام کے عملی نفاذ کے سلسلہ میں بدستور دباؤ ڈالتے رہیں کہ شہید صدر ضیاء الحق نے اللہ کے دین کو جس طرح حکومت پر بالادستی دینے کا کام شروع کیا ہوا تھا، موجودہ حکومت دین کی بالادستی کے کام کو آگے بڑھائے۔ شریعتِ محمدی کے نفاذ کے لئے وہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں۔ فرقہ واریت کے خلاف جنگ کریں، خود غرض اور مفاد پرست عناصر کے عزائم کو ناکام بنا

دیں ۔ وہ حکمرانوں کو اُن کا فریضہ پیہم اور بدستور یاد دلاتے رہیں ۔ لوگوں کی مستقل اور بھرپور تربیت اس انداز میں کریں کہ اُن پر اسلامی روایات اور دینی احکامات بطریقِ احسن واضح ہو جائیں ۔ نظریۂ پاکستان کا پرچار کریں کیونکہ پاکستان صرف اور صرف اسلام کے عملی نفاذ کے لئے حاصل کیا گیا تھا ۔ تمام مکاتبِ فکر کے علماء متحد ہو جائیں ——— اور نفاذِ شریعت کے معاملے کو آگے بڑھائیں ۔ وگرنہ جو کچھ ہو چکا ہے اُس کا باقی رہنا بھی مشکل ہو جائے گا ۔

اُٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

نعتِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کی نعت مری زیست کا سہارا ہے — نبی کا نام مجھے دو جہاں سے پیارا ہے
اگرچہ دور ہوں پھر بھی یقین ہے کامل — کہ ان پہ سارا مرا حال آشکارا ہے
انہی کے دم سے ہے مری زندگی کی چہل پہل — انہی کے اسمِ معظم نے دل سنوارا ہے
کبھی جو ہستی کی ناؤ اسیرِ موج ہوئی — درودِ پاک نے ساحل پہ لا اُتارا ہے
کسی کو دولتِ دنیا کسی کو جاگیریں — مجھے تو عشقِ نبی پاک کا سہارا ہے

کوئی مقام ہو یونس یا ابتلا کی گھڑی
بنامِ ختمِ نبوت انہیں پکارا ہے

سید محمد یونس بخاری

بیادِ، شورش کاشمیری

تحریر: شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی

تحریر میں تقریر میں طوفان تھا شورش

"گوری چمڑے والے گورنر کو راستے سے ہٹ جانا چاہیئے، وہ ایک گندہ ناٹک کھیل رہا ہے۔ جو کچھ بھی وہ کر رہا ہے۔ ہم اس سے باخبر ہیں۔ وہ ہمارے صوبہ میں خون خرابہ کرانا چاہتا ہے۔ شہید گنج سکھوں نے نہیں گرائی۔ گورنر نے گرائی ہے مسجد تو ہم لے کر ہی رہیں گے۔ آج نہیں تو کل ہم دلّی کے لال قلعہ پر بھی اسلامی پرچم لہرانے کا تہیّہ کر چکے ہیں۔"

شہید گنج تحریک میں مولانا ظفر علی خان کو گرفتار کر لیا گیا۔ شاہی مسجد میں ایک جلسۂ عام منعقدہ ہوا۔ نوجوان ساتھیوں نے عبدالکریم کو پکڑ کر کرسئی صدارت پر بٹھا دیا۔ ایک انتہائی شرمیلا لڑکا جس کی عمر صرف سترّہ سال تھی، شاہی مسجد میں اس پہلی تقریر سے اپنی عظیم زندگی کا آغاز کر رہا تھا۔

پھر چار سال بعد آسمان نے اس نوجوان کو ایک مقدمے کے سلسلے میں عدالت کو للکارتے ہوئے دیکھا:

"میں اس ملک کی آزادی کے نام پر آپ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ اس کرسی کو خالی کر دیں۔ یہ کرسی ہندوستان کی آزادی کے خلاف، انصاف کا لوحِ مزار ہے۔ آپ اس کرسی پر بیٹھ کر جس قانون کے تحت فیصلے سناتے ہیں، اس قانون نے ہماری قومی غیرت کو کچل ڈالا ہے۔ آیئے! اس قانون، اس انصاف، اس حکومت اور اس نظام کے خلاف علمِ بغاوت بلند کریں۔ ہندوستان کی آزادی اپنے لئے کم سے کم یہ مطالبہ ضرور کرتی ہے۔

اب تک آپ نے اس کرسی کا مزہ چکھا ہے۔ اب اس کٹہرے کا شرف بھی حاصل کیجئے۔ آپ اسکی لذّت سے آشنا ہو گئے تو آپ کے لئے ہی نہیں آپ کی آئندہ نسلوں کے لئے بھی عزّ و شرف کا باعث ہو گا۔"

سنت رام مینی۔ اے ڈی ایم ملتان نے آنکھیں جھکالیں اور کہا۔ "پانچ سال قید بامشقت۔

شورش مرحوم نے اپنے اِس حق گوئی کے جُرم کی پاداش میں آزادی سے پہلے دس سال قید میں گزارے پاکستان بننے کے بعد بھی کوئی پانچ دفعہ گرفتار کیئے گئے ایک تجزیئے کے مطابق آپ کی زندگی کا ہر پانچواں دن جیل میں گزرا ہے۔ مگر زندگی کے کسی مرحلے پر بھی پائے استقامت میں لغزش نہ آئی۔ جسمانی گداز آلام و مصائب کے باوجود آپ نے ہر دَور میں باطل کے خلاف آواز اُٹھائی۔ اور جس بات کو صحیح سمجھا برملا کہا۔ قادیانی اُمت' نام نہاد دانشوروں، سرکاری کاسہ لیسوں۔ انجمن ستائش باہمی کے ٹھیکیداروں۔ مذہب بیزار ترقی پسندوں۔ خود فروش ادیبوں شاعروں اور اشتراکی کوچہ گردوں کے تعاقب میں آپ ہمیشہ پیش پیش رہے۔

شورش کاشمیری ۱۴ اگست ۱۹۱۷ء کو منگل کے دن امرتسر میں پیدا ہوئے۔ نام عبدالکریم تھا۔ ابتدائی تعلیم دیوسماج ہائی سکول لاہور سے حاصل کی۔ احسان دانش آپ کے ٹیوٹر تھے۔ استاد مولوی نیاز احمد نعمانی سے آپ کو تعلق خاطر رہا۔ چوتھی جماعت میں تھے کہ اخبار "زمیندار" پڑھنے لگے۔ نویں۔ دسویں جماعت میں درسی کتابوں کے علاوہ تمام کتابیں بھی زیر مطالعہ رہیں۔ کھیلوں میں ہاکی کا کھیل پسند تھا۔

شورش نے چودہ سال کی عمر میں شعر کہنا شروع کر دیئے تھے۔ اپنے دوست چونی لال کاوش کی تحریک پر اُلفت تخلص رکھا۔ بعد میں شورش بن کے رہ گئے۔ کئی نظموں میں اسرار البصری کا نام بھی استعمال کیا ہے۔ شاعری میں ابتدائی اصلاح اختر شیرانی سے لی۔ تاجور نجیب آبادی سے بھی واسطہ رہا۔ مگر احسان دانش آپ کے ابتدا سے انتہا تک کے اُستاد ہیں۔ آپ غزل کی طبیعت لے کر پیدا ہوئے تھے۔ مگر ادب برائے زندگی کے اصول نے کبھی اسطرف آنے ہی نہیں دیا۔ خود بیان کرتے ہیں۔

"ہوش آیا تو قدم عشق کے کوچے میں تھا۔ جوانی نے غزل کی شمع جلائی، حالات کے دستبرد نے سیاسی تجربوں کی ویرانیوں سے اُٹھا کر گردوپیش کے واقعات پر طنز و تبصرہ کا شاعر بنا دیا۔ اب صرف اس لئے شعر کہتا ہوں کہ عام لوگوں کو معاشرے کے اِن ناسوروں سے نفرت پیدا ہو جو اولادِ آدم کے سینہ سے رِس رہے ہیں۔ میری شاعری کا یہی مقصد ہے۔"

علامہ تاجور نجیب آبادی کی نظر میں "شورش اگر صرف شاعری کا ہو کے رہتا تو بڑے بڑے بددماغ میر تقویوں سے اُن کی جگہ خالی کرا لیتا۔ ماہر القادری کہتے ہیں۔ "جو اُردو دان شورش کاشمیری کو نہیں جانتا۔ وہ بے ذوق ہی نہیں جاہل و بے خبر بھی ہے۔"

معارف اعظم گڑھ کی زبان میں :-

"آپ اپنے وقت کے ظفر علی خان کہلانے کے مستحق ہیں۔"

شورش بہت زُود گو شاعر تھے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں سب سے زیادہ ترانے آپ نے لکھے۔ شورش کی بلند خیالی، اظہار کی پختگی، چستی اور بندش کے مشاہدے کے لئے یہاں چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں:

میں کسی فرعون کی طاقت سے ڈر سکتا نہیں
موت کو لبیک کہہ سکتا ہوں مر سکتا نہیں

مغرب کے خداؤں نے مشرق کو دیا کیا ہے
عیاش گھرانوں کے بگڑے ہوئے شہزادے

کتنے ظالم ہیں کہ مجھ کو قتل کرنے کے بعد
میرے سب دشمن عزا داروں میں شامل ہو گئے

عام ہے چاروں طرف ذریّتِ ابنِ زیاد
میں ہوں پاکستان کے کوفہ میں دربانِ حسینؓ

کرۂ ارضی کی ہر عنوان سے تذلیل ہے
قادیاں! مابین ہند و پاک اسرائیل ہے
میرا یہ لکھنا کہ ربوہ کی خلافت ہے فراڈ
خواجۂ کونین کے ارشاد کی تعمیل ہے
اہلیہ مرزا غلام احمد کی اُمّ المومنین؟
ہے کہاں قہرِ خدا؟ قہرِ خدا میں ڈھیل ہے
کیا تماشا ہے پیمبر بن گیا عرضی نویس
گفتنی اجمال ہے ناگفتنی تفصیل ہے

زورِ بیان و قوتِ اظہار چھین لے
مجھ سے مرا خدا میرے افکار چھین لے!
اربابِ اختیار کی جاگیر ضبط کر
یا غم زدوں سے نعرۂ پیکار چھین لے

رہبر جھوٹے مخبر سچے انگریزوں کے کوڑی بچے
رجعت کے پھل لیکن پکے دو کوڑی ہے ان کا مول
بول وطن کے ماضی بول
ہم ان کی جاگیر نہیں ہیں رہنِ فلک پیر نہیں ہیں
یہ اپنی تقدیر نہیں ہیں پاؤں تلے ان سب کو رول
بول وطن کے ماضی بول

وزارت کی چوکھٹ ادیبوں کے پھیرے
جبینوں کا سجدہ اندھیرے سویرے!
فقیہانِ اُمّت، عزیزانِ ملّت!
قلم کار شاعر نہ تیرے نہ میرے!

قادیاں کے زلّہ خواروں کو سچایا جائے گا
غیرتِ اسلام کا ڈنکا بجایا جائے گا
دار کے تختہ پہ کھنچوا دو کہ میں ڈرتا نہیں
جھنگ کے پہلو سے ربوہ کو اُٹھایا جائے گا

آغا شورش نے اپنی صحافتی زندگی کا باقاعدہ آغاز روزنامہ "زمیندار" سے کیا۔ اگرچہ اس سے پہلے سالک و مہر کے "سیاست" میں بھی کبھی کبھار لکھتے رہتے تھے۔ تاجور نجیب آبادی کے "شاہکار" کے ایڈیٹر رہے۔ پھر روزنامہ "آزاد" سے منسلک ہو گئے۔ اس دوران "الہلال" بمبئی کو افتتاحیہ لکھ کر بھیجتے رہے۔ یکم جنوری ۱۹۴۸ء کو "آزاد" سے علیحدہ ہو کر "چٹان" کا اجراء کیا۔ "چٹان" پر ایک دو سخت مقام بھی آئے۔ اس دوران "الجمہ" اور "عادل" جاری کئے گئے۔

آغا شورش کے سرمایۂ ادب و صحافت سے بطورِ نمونہ تھوڑا سا انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔

"خوف ایک ہی ہے اور وہ اللہ کا خوف ہے۔ انسان سے ڈرنا ربوبیت کی توہین ہے۔"

چٹان اور اس کے ایڈیٹر کو آج تک نہ کسی نے خریدنے کا حوصلہ کیا نہ کوئی جھکانے پر قادر ہو سکا۔ اور یہ اللہ کی دین ہے ...."

"ہم کسی سے اتفاق کریں یا اختلاف صرف ضمیر کی راہنمائی کو ملحوظ رکھتے ہیں ...... اپنے قلم پر ہم کسی دوسرے شخص کا حق تسلیم نہیں کرتے۔ ہم اس وقت تک لکھتے رہیں گے جب تک قلم کی آزادی میسر ہے۔ ہم حق سے انحراف نہیں کریں گے۔ قلم کو پا بزنجیر کرنے کی حماقت کی گئی۔ تو ہم ایسی حماقت کو تسلیم کرنے کے عادی نہیں۔ خواہ کوئی سی قیمت ہی کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔ قدرت نے ہمیں قلم اور زبان کا جوہر دیا ہے اور وہ صرف کلمۃ الحق کی پشتیبانی کے لئے۔"

"آج ہر پاکستانی کو اپنے دل کی تختی پہ نقش کر لینا چاہیئے۔ کہ ہم نہ سندھی ہیں نہ پنجابی نہ بلوچی ہیں نہ پٹھان ____ ہم مسلمان ہیں۔ اور پاکستانی ہیں۔ ہم اسلام کے وفادار رہے تو پاکستان رہے گا۔ اور پاکستان رہا تو مسلمان رہیں گے ورنہ ہم تاریخ کے صفحات سے اس طرح محو ہو جائیں گے جس طرح ہسپانیہ کی سرزمین مسلمانوں سے محروم ہو چکی ہے۔"

پاکستان کی ذہنی کربلا میں اسلام حسینؓ کی طرح اہلِ کوفہ کے فریب کا شکار ہے۔

"مجھے اُن الفاظ سے عداوت ہے جو درباروں کی گود میں پرورش پاکر انسان کی نفسیاتی غلامی کا باعث ہوتے ہیں۔"

"میرے لئے تقریر کرنا اور سانس لینا یکساں ہیں۔ الفاظ و مطالب میرے نوکِ زباں اس طرح رہتے ہیں جس طرح عباسی عہد میں اقتدار کی حرم سرا میں لونڈیوں کا ہجوم رہتا تھا۔"

"مجھے وہ شخص کفن پہنائے جس کی غیرت نے کبھی کفن نہ پہنا ہو۔"

"میرا قلم اس شخص کو دیا جائے، جو اُس کو تیشۂ کوہ کن بنا سکے، جس کو لہو سے لکھنے کا سلیقہ آتا ہو۔"

"میری قبر پر ایک ہی کتبہ لکھا جائے کہ یہاں وہ شخص دفن ہے جس کی تمام عمر عبرتوں کا مرقع رہی ہے۔"

قید و بند، مسلسل خطابت اور صحافتی مصروفیات کے باوجود شورش مرحوم نے مختلف موضوعات پر متعدد کتابوں کی شکل میں نثر و نظم کا ایک قابلِ قدر ذخیرہ اپنے پیچھے چھوڑا ہے۔ تحریک ختمِ نبوّت، بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل، اُس بازار میں، اسلام کے غدار، اقبال اور قادیانیت، اقبال پیامبر انقلاب، اقبالی مجرم، پسِ دیوارِ زنداں، تمغۂ خدمت، چہرے، حسین شہید سہروردی، حمید نظامی، خطباتِ آزاد، دہلی چلو، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، ظفر علی خاں، شب جائے کہ من بودم، شورش بنام عبداللہ ملک، شورش کاشمیری، ظفر علی خاں، عجمی اسرائیل، فنِ خطابت، فیضانِ اقبال، قیدِ فرنگ مرزائیل، موت سے واپسی، ابوالکلام آزاد، میاں افتخار الدین، نورتن، یورپ میں چار ہفتے، جذباتِ شورش، گفتنی ناگفتنی، چہ قلندرانہ گفتم، الجہاد والجہاد۔

یہ سب کتابیں ادب و تہذیب کے شاہپارے ہیں۔ وقار انبالوی رقم طراز ہیں:

"جب تک اُردو زبان زندہ ہے۔ اس کی تاریخ ادب و صحافت اور شعر و سیاست کا کوئی باب شورش کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں کہلائے گا۔"

ڈاکٹر سید عبداللہ نے کہا تھا:

"شورش صحافت میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا ظفر علی خان کے تنہا وارث ہیں اور تنہا وارث ——"

رئیس امروہوی ایک خط میں لکھتے ہیں :

"شورش ایک معجزاتی انسان ہیں "

احسان دانش نے کہا :

"شورش کاشمیری کی زبان اور قلم دونوں تلوار ہیں "

جسٹس ایس اے رحمان کہتے ہیں :

"اُس شخص کو زبان وبیان پر اِس قدر قابو حاصل ہے کہ وہ لوگوں کے دِل و دماغ سے کھیلتا ہے "

شورش کی انشاء پردازی اور سوانح نگاری سے متاثر ہو کر "نقوش" کے ایڈیٹر محمد طفیل نے اُنہیں اپنے زمانے کا محمد حسین آزاد قرار دیا ہے ۔

مولانا ظفر علی خاں نے شورش کے نام ایک خط میں تحریر کیا :

"آپ کو جو تعلق مجھ سے ہو گیا ہے ۔ میں اُسے اپنی بہت بڑی خوش قسمتی خیال کرتا ہوں "

اُردو زبان کے عظیم مقرر سید عطاء اللہ شاہ بُخاری نے پہلی دفعہ شورش کو سُنا تو فرمایا :

"... معلوم ہوتا ہے ۔ اس کے حلق میں گراریاں لگی ہوئی ہیں ۔ خُدا کا شکر ہے آواز میں غنا نہیں ورنہ ہم لوگ چوکڑی بھول جاتے "

پروفیسر رشید احمد صدیقی نے اپنے ایک خط میں لکھا :

"شورش صاحب ! آپ کو قلم پر قُدرت حاصل ہے ۔ پنجاب کو اقبال پر ناز ہے ۔ لیکن آپ بھی پنجاب کا فخر ہیں "

دوست تو دوست ، دشمن بھی آپ کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں ۔ اُن کی تحریر ، اُن کے حریف بھی چٹخارے لے لے کر پڑھتے تھے ۔ شورش کے اپنے الفاظ ہیں :

حُسن وہ ہے جس کا سوکن بھی اعتراف کرے " اُن کے دشمن اُن کے نام سے اس طرح کانپتے تھے ۔ جس طرح اندھیری رات کے تاریک سناٹے میں گنہگار کا دِل کانپتا ہے ۔

شورش مرحوم میں سب سے بڑی خوبی اور پسندیدہ بات یہ تھی کہ بہ حیثیت ایک شاعر ، ادیب صحافی اور مقرر ، خدا اور رسول ؐ کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے ۔

بہرکیف ! "آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت" ———

جو آیا وہ گیا ہے، خدا کے سوا ہر چیز کو فنا ہے، برِ صغیر کے اسی بے باک صحافی، نامور شاعر اور شعلہ نوا خطیب پر بھی ۲۵، اکتوبر ۱۹۷۵ء کو موت کا ضابطہ پورا ہوا۔

اور لوگ جس میں شاعر ادیب، صحافی خطیب، اساتذہ وکیل، طلبا، علما، سیاستدان، مدیر، حکمران پیر مشائخ، دوست دشمن سبھی شامل تھے، اس کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھائے میانی صاحب کے قبرستان کی طرف رواں دواں تھے۔ گلیوں اور بازاروں میں ایک ہجوم تھا۔ انسانوں کا ایک سمندر موجیں مار رہا تھا، لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگے ہوئے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے :

قوائے بدن سب چور ہوئے اک دِل کے شہادت پانے سے
فوجوں میں تلاطم برپا تھا سالار کے مارے جانے سے

حرفِ آخر

مَنْ اِرْتَدَّ فَاقْتُلُوْہُ

جو مُرتد ہو جائے اُسے قتل کردو !

ارشادِ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم

مُطالبہ

مُرتد کی شرعی سزا نافذ کرو (تحریک تحفظِ ختمِ نبوت پاکستان)

دُعاءِ صحت

حضرت امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے قدیم رفیق اور مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان کے سابق ناظمِ اعلیٰ جناب ملک عبدالغفور انوری ان دنوں صاحبِ فراش ہیں۔ وہ ان دنوں نشتر ہسپتال ملتان میں زیرِ علاج ہیں !
تمام احباب ان کی مکمل صحت یابی کیلئے دُعا فرمائیں۔

"ادارہ"

حکیم محمود احمد ظفر۔ سیالکوٹ

۲

اسلام اور نبوّت

جہاں وہ دُنیائے محسوس اور غیر محسوس دونوں کا شاہد ہوا کرتا ہے اور پھر ان حقائق کو دوسرے انسانوں تک پہنچاتا ہے۔

صاحبِ کتاب الاشتقاق نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "یا نبیٔ اللّٰہ" (یعنی اس نے نبی کو ہمزہ سے بولا) آپ نے اسے فرمایا "لَستُ بِنبیءِ اللّٰہِ ولٰکِنْ نَبیُّ اللّٰہِ" یعنی میں ہمزہ کے ساتھ نبی نہیں ہوں بلکہ بغیر ہمزہ کے نبی ہوں۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ "نبی" کا لفظ نبوۃ اور نباءۃ سے مشتق ہے کیونکہ اگر نبأ سے "نبی" کو مشتق مانا جائے تو فعیلٌ کے وزن پر "نَبیءٌ" ہمزہ کے ساتھ آئے گا۔

بہرحال علماء کی اکثریت نبی کو "نبأ" سے مشتق مانتی ہے جس کا معنی ہے خبر دینے والا یعنی نہایت فائدہ مند اور اہم خبریں دینے والا جس کی خبر سے یقین پیدا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی باتیں وہی ہوں گی جو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف سے ہوں اور پھر ان خبروں پر اطمینان یا علم اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ خبر دینے والا اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی دلیل بھی پیش کرے یا پھر اس کی زندگی ہی اس قدر پاکیزہ، مطہر، اعلیٰ اور مقدس ہو کہ اس کے متعلق جھوٹ کا وہم و گمان بھی نہ ہو سکے۔ اس کی بات سنتے ہی لوگوں کو یقین آ جائے اس سے معلوم ہوا کہ صرف اور صرف نبی کا لفظ ہی لغتِ عرب کی رُو سے مندرجہ بالا حقائق پر روشنی ڈالتا ہے اور کوئی لفظ اس کے لئے مناسب نہیں ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ قدس سرہٗ نے بھی نبی اور اس کے اشتقاق پر نہایت تفصیل سے بحث فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں۔

"نبی کا لفظ "نبأ" سے مشتق ہے۔ لغتِ عرب میں "نبأ" اگرچہ خبر کو کہتے ہیں لیکن اس کا عام استعمال صرف غیب کی خبروں کے بارہ میں ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں یہ لفظ کئی جگہ پر استعمال ہوا ہے۔

وَ اُنَبِّئُکُم بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا اور میں تم کو بتا دیتا ہوں جو کچھ تم اپنے

تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ (آلِ عمران)	گھروں میں کھاتے ہو اور جو کچھ تم جمع کرتے ہو۔
فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ (التحریم)	پھر جب آپ نے اس کو بتلا دیا تو وہ بولیں آپ کو یہ خبر کس نے دی۔ آپ نے فرمایا مجھے علیم و خبیر خدا نے بتایا ہے
قُلْ هُوَ نَبَأٌ عَظِيْمٌ أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ۔ (ص)	فرما دیجیئے کہ وہ ایک بڑی خبر ہے اور تم اس سے اعراض برت رہے ہو۔
عَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيْمِ (النباء)	کس چیز کی بابت یہ آپس میں گفت و شنید کر رہے ہیں۔ ایک بہت بڑی خبر کے متعلق
أَنْبِئُوْنِيْ بِأَسْمَاءِ هٰؤُلَاءِ (البقرة)	(ملائکہ سے کہا) اچھا مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ۔
يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ (البقرہ) قُلْ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ نَبَّأَنَا اللّٰهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ (التوبہ)	اے آدم! تم ان کو ان چیزوں کے نام بتا دو کہہ دیجیئے بہانہ مت بناؤ (ہم ہرگز تمہاری بات نہ مانیں گے) اللہ ہم کو تمہارے حالات بتا چکا ہے۔

(شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے قرآنِ حکیم سے استدلال میں کئی اور آیات بھی نقل کی ہیں، ہم نے صرف چند ایک پر اکتفا کیا ہے)

ان سب آیات میں لفظ "نباءٌ" صرف ان خبروں کے بارہ میں استعمال ہوا جو اپنے علم و مشاہدہ سے تعلق نہیں رکھتیں بلکہ ان کا تعلق "اخبارِ غیب" سے ہے۔ لہذا قاعدہ کی رُو سے "نبی" کو نبیءٌ یعنی ہمزہ کے ساتھ پڑھنا چاہیئے، لیکن تخفیف کے لئے ہمزہ کو حذف کر دیا گیا ہے، اس وجہ سے اب وہ "نبی" لکھا اور پڑھا جانے لگا اور مہموز سے معتل استعمال ہونے لگا اس کے مہموز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کی جمع "انبیاء" آتی ہے۔ (النبوات ص ۲۲۲-۲۲۳)

ایک اور مقام پر شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ:

نبی، فعیل کے وزن پر صفتِ مشبّہ کا صیغہ ہے۔ لغتِ عرب میں یہ وزن فاعل اور مفعول دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، لیکن زیادہ مناسب اور قرینِ قیاس یہی ہے کہ اس کو مفعول کے معنوں میں لیا جائے۔ اس لحاظ سے نبی کے معنی ہوں گے "الّذی نَبّأ اللہ" یعنی وہ ذات جس کو حق تعالیٰ نے غیب کی خبریں دی ہوں اور اس کو نبی بنایا ہو۔ اب جس شخص کو حق تعالیٰ نے نبی بنایا ہو اور غیب کی خبریں دی ہوں اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ دوسروں کو بھی اس سے مطلع کرے ہاں اگر حق تعالیٰ کا حکم ہوگا تو وہ دوسروں کو بھی اس سے مطلع کریگا ورنہ نہیں۔ لیکن جس بات پر کسی نبی کا نبی ہونا موقوف ——— ہے وہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو غیب کی خبریں دی جائیں نہ کہ وہ ان خبروں کو دوسروں تک پہنچائے۔ معلوم ہوا کہ نبی اور غیر نبی میں جس چیز سے امتیاز ہوتا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیب کی خبریں دینا اور نہ دینا ہے۔

غیب کی خبریں انبیاء علیہم السلام کی طرح کاہن اور جوتشی بھی دیتے ہیں پھر ان کو نبی کیوں نہیں مانا جاتا؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ کاہنوں اور جوتشیوں کو خبر دینے والا شیطان ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کو خبر دینے والا رحمٰن ہوتا ہے۔ اس وجہ سے وہ اللہ کے نبی کہلانے کے مستحق نہیں ہوتے۔

(النبوات ص ۱۱۶، فتاویٰ شیخ الاسلام جلد ۱۸ ص ۶)

اس کے بعد شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:

"اسی طرح رسول کا لفظ ہے "رسول اللہ" صرف اس کو کہا جائے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہو۔ لہٰذا جس طرح اللہ کا رسول کسی غیر کا رسول نہیں ہوسکتا اور نہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کا حکم مان سکتا ہے، اسی طرح اللہ کا نبی بھی غیر اللہ کا نبی نہیں بن سکتا اور نہ ہی وہ کسی اور کی دی ہوئی خبروں کو قبول کرسکتا ہے"

(النبوات ص ۱۶۲)

فیلسوفِ اسلام علامہ ابنِ رشد اندلسی رحؒ نے بھی لکھا ہے کہ نبی کو اس لئے نبی کہا گیا ہے کہ اس کو غیب کی خبریں بتائی جاتی ہیں۔ (تہافۃ الفلاسفہ لابن رشد، ص: ۱۲۲)

شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے نبی کی تعریف میں اور لطافت سے اجمال پیدا کردیا ہے، فرماتے ہیں۔

"نبوت توجہ الی الحق اور توجہ الی الخلق کی صفت کے کمال کا نام ہے۔ دوسرے لفظوں میں نبی وہ ذات ہے جو ہر وقت حق تعالیٰ کی طرف بھی متوجہ رہے اور خلق خدا پر بھی نظر رکھے۔ حق کی طرف توجہ کرنے سے خلقِ خدا کی طرف اس کی توجہ کم نہ ہو اور خلقِ خدا کا خیال حق کی لگن میں خلل انداز نہ ہو" (مکتوبات جلد ۳)

اِن تینوں تعریفوں کا خلاصہ دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ انسان روح اور مادہ کی ترکیب کا نام ہے۔ اس کی روح اور مادہ کی ترکیب نے اس کی حیات کو دو حصوں میں منقسم کر دیا ہے یعنی ایک اُس کی مادی حیات اور دوسری اُس کی روحانی حیات۔ ان دونوں زندگیوں میں سے ہر ایک زندگی کے طور و طریق الگ الگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس نے انسان کو زیورِ حیات سے مرصع کیا اُس نے اس بات کی ذمہ داری بھی لی ہوئی ہے کہ اس کی زندگی کی تمام ضروریات کا کفیل میں ہوں۔ چنانچہ فرمایا:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا۔ (ہود) — اور کوئی جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو۔

انسان کی اِس مادی حیات کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے خلّاقِ عالم نے طرح طرح کے انسان پیدا فرمائے جنہوں نے آکر دوسرے انسانوں کو مادی زندگی بسر کرنے کے طریق سکھائے زندگی بسر کرنے میں جو جو ضروریات انہیں لاحق ہوئیں اُن کو پورا کیا۔ چنانچہ ان حضرات نے انسانوں کو کاشت کاری کے اصول، خورد و نوش کے طریق، ازالۂ مرض کی تدابیر، بود و باش کے سامان، سواری وغیرہ کی ضروریات غرضکہ ان کی مادی حیات کی تکمیل میں قدم قدم پر انہیں جتنی بھی ضروریات سے دوچار ہونا پڑا، ان لوگوں نے ان کو پورا کیا۔

انسان بیمار ہوا انہوں نے دوا دی، یہ بھوکا ہوا انہوں نے کھانا کھلایا، یہ ننگا ہوا انہوں نے اس کی عریانی کے ازالہ کے لئے کپڑا بنا کر پیش کیا۔ اس کو لڑنے کی ضرورت پیش آئی انہوں نے اس کو تلوار، نیزہ اور رائفل وغیرہ آلاتِ حرب مہیا کئے تاکہ یہ انسان بطریقِ احسن اپنی مادی زندگی کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکے۔

اس مادی زندگی کے ساتھ ساتھ اس کی روحانی زندگی کی ضروریات کا جن کو ہم اصولِ تمدّن، طریقۂ معاشرت، اخلاقِ حسنہ اور تقویٰ وغیرہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں، دَور شروع ہوتا ہے۔ اور یہ حیات ایسی ہے جو صرف حضرتِ انسان کے لئے مختص ہے، مادی زندگی میں حیوان بھی انسان کے ساتھ شریک ہے مگر اس روحانی زندگی میں اس کو دیگر حیوانات سے شانِ امتیاز حاصل ہے کیونکہ

اگر اس کی روحانی حیات نہ ہو تو اس کی مادی زندگی کی جنت جہنم بن جائے اور یہ اشرف المخلوقات محض درندوں کا غول اور چرندوں کا گلّہ ہو کر رہ جائے ۔

اب جس طرح ہماری مادی زندگی میں ہمیں غلّہ مہیا کرنے والا کاشت کار، ہمارے لئے کپڑا بننے والا جولاہا، زیور بنانے والا سنار، ہمارے بیٹھنے کے لئے کرسیاں اور میز بنانے والا بڑھئی، ہماری جسمانی بیماریوں کا علاج کرنے والا طبیب، اور اس مادی کائنات سے اسرار کی نقاب کشائی کر کے ان اشیاء سے باخبر کرنے والا حکیم کہلاتا ہے، اسی طرح ہماری روحانی زندگی کی جملہ ضروریات فراہم کرنے والا اور وحیٔ ربانی سے فیض یاب ہو کر روحانیت کے نئے نئے اصول وضع کرنے والا اور حیاتِ روحانی کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے والے کا نام اصطلاحِ شریعت میں نبی اور رسول ہوتا ہے۔

نبوت کی اس بحث کو حکیم الامت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے ایک اور انداز سے بیان کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے :

"علم و عمل اور فضل و کمال کے لحاظ سے انسانوں کے مختلف درجات ہیں ۔ ان میں سب سے اعلیٰ اور بلند و بالا درجہ "مفہمین" کا ہے ۔ یہ لوگ ایک خاص اصطلاح اور مخصوص طریق اصطلاح کے حامل ہوتے ہیں ۔ ان کی قوتِ ملکیہ بہت بلند ہوتی ہے۔ داعیۂ حقانی اور صحیح اور سچے جذبات کے تحت ان کے لئے دنیا میں ایک خاص نظام کو قائم کرنا آسان اور سہل ہوتا ہے اور یہ لوگ وہ خاص نظام قائم کرنے کے لئے مبعوث ہوا کرتے ہیں ۔ حق تعالیٰ کی طرف سے ان پر علومِ عالیہ اور احوالِ الٰہیہ کا ترشح ہوتا ہے۔ " مفہم " کی سیرت یہ ہوتی ہے کہ وہ معتدل مزاج ہوتا ہے ۔ اس کی خلقت، پیدائش اور اخلاق و عادات بالکل سچ اور درست ہوتی ہیں ۔ اس کے اندر جزئی رایوں اور اور جزئی واقعات کی بناء پر زیادہ اضطراب نہیں پایا جاتا ۔ وہ نہ اس قدر تیز ہوتا ہے کہ صرف کلیات و تخیلات ہی میں الجھ کر رہ جائے اور نہ اس قدر بلید اور غبی کہ صرف جزئیات میں الجھ رہے اور جزئیات سے کلیات تک اور صورت سے روح تک پہنچنا اس کے لئے ممکن نہ ہو ۔ وہ سب سے زیادہ سنتِ راشدہ اور ہدایت کے راستہ کی پیروی کرنے والا ہوتا ہے ۔ عبادات میں بھی وہ بلند مرتبے کا حامل ہوتا ہے۔

معاملات میں بھی لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف برتتے ہیں اس کا معیار بہت بلند ہوتا ہے۔ وہ اپنے فیصلوں میں شخصی اور انفرادی بھلائی کا لحاظ نہیں کرتا بلکہ تدبیر کلی اور منفعتِ عامہ کا لحاظ رکھتا ہے۔ وہ کسی کو تکلیف اور ایذاء پہنچانا گوارا نہیں کرتا اور اگر کبھی کسی کو تکلیف اور ایذاء پہنچ بھی جائے تو کسی عارضی سبب کی وجہ سے یعنی یہ کہ منفعتِ عامہ کا حصول اور بڑی تعداد کا فائدہ چھوٹے سے نقصان سے حاصل ہو تو وہ اس جزئی تکلیف اور اس نقصان کو گوارا کر لیتا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے امور میں عالمِ غیب کی طرف مائل اور راغب رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی بات چیت، کام کاج، چہرے اور پیشانی کے تیوروں سے بھی میلان و رغبت کے اثرات مترشح ہوتے ہیں۔ بلکہ اس کی زندگی کی ہر شان اور ادا سے اس میلان و رغبت ہی کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ اپنے کو ہمیشہ ایسا پاتا ہے کہ عالمِ غیب سے اُس کی تائید ہو رہی ہے اسے معمولی اور ادنیٰ سے ادنیٰ ریاضت سے قربِ الٰہی حاصل ہو جاتا ہے اور اس قربِ الٰہی سے اِس پر سکون و طمانیت کے وہ دروازے کھل جاتے ہیں جو دوسروں کے لیے نہیں کھلتے۔

"مفہمین" اپنی مختلف استعداد و قابلیت کی وجہ سے مختلف مدارج کے حامل ہوا کرتے ہیں۔

اوّل، وہ مفہم جس کو اکثر و بیشتر ریاضات و عبادات کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے تہذیبِ نفس اور تزکیۂ باطن کے علوم کی تلقین ہوا کرتی ہے۔ ایسا مفہم کامل کہلاتا ہے۔

دوم، وہ مفہم ہے جسے اکثر و بیشتر اخلاقِ فاضلہ، تدبیرِ منزل اور اسی قسم کے دوسرے علوم کا القاء ہوتا رہتا ہے۔ ایسا مفہم حکیم کہلاتا ہے۔

سوم وہ مفہم جسے عمومی تدبیر و سیاست اور نظامِ کلی کی اصلاح کے علوم کا القاء کیا جاتا ہے اور اُسے لوگوں میں عدل و انصاف کے نظام کے قیام اور ظلم و جور کے استیصال کی توفیق عطا کی جاتی ہے ایسا مفہم خلیفہ کہلاتا ہے۔

چہارم وہ مفہم جس پر ملاءِ اعلیٰ کا نزول ہوتا ہے اور اُسے وہاں کی حضوری حاصل ہوتی ہے وہاں کی تعلیم سے وہ سرفراز ہوتا ہے اور اس سے مختلف قسم کے تصرفات اور خرقِ عادت امور صادر ہوتے ہیں۔ وہ مؤید بروح القدس کہلاتا ہے۔

پنجم وہ مفہم جس کی زبان و قلب میں انوار و تجلیات ہوں۔ لوگ اُس کی رفاقت، صحبت اور پند و موعظت سے مستفید ہوں۔ اور وہ انوار و تجلیات صرف اس کی ذات ہی تک محدود نہ ہوں بلکہ وہ اس کے رفقائے خاص تک بھی منتقل ہوں جس سے وہ کمال و ارتقاء کے مدارجِ عالیہ تک پہنچ جائیں۔ ایسے مفہم کو ہادی اور مزکی کہتے ہیں۔

ششم وہ مفہم جس کے علم کا بڑا حصہ امت اور ملت کے اصول و قواعد اور اس کی مصلحتوں کی واقفیت پر مبنی ہو اور جس میں ملت کے مفہوم ارکان کو دوبارہ قائم کرنے کی طاقت ہو۔ ایسا مفہم امام کہلاتا ہے۔

ہفتم؛ وہ مفہم جس کے قلب میں یہ القاء کیا جائے کہ وہ لوگوں کو اُن بڑے بڑے مصائب و آلام سے خبردار کرے جو دُنیا میں ان لوگوں کے اعمال کے نتیجہ کے طور پر مقدر ہو چکے ہیں۔ مثال کے طور پر کسی قوم کے متعلق اس کو بتایا گیا ہو کہ وہ اپنی بداعمالی اور مسلسل نافرمانی کی وجہ سے ملعون و مردود ہو چکے ہیں۔ وہ اس قوم کو اس سے آگاہ کر دیتا ہے یا بعض اوقات اپنے تجردِ نفس اور صفائی باطن کی وجہ سے وہ قبر و حشر میں پیش آنے والے واقعات کو معلوم کر لیتا ہے اور وہ اس سے لوگوں کو آگاہ اور باخبر کر دیتا ہے۔ ایسے مفہم کو منذر کہتے ہیں۔

ہشتم وہ مفہم کہ جب حکمتِ الٰہی کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ کسی ایسے مفہم کو مبعوث فرمائے جو لوگوں کو ظلمات اور تاریکیوں سے نکال کر نور اور روشنی میں لائے اور گمراہی کے راستے سے موڑ کر ہدایت و اصلاح کا راستہ دکھائے تو حق تعالیٰ اپنے بندوں پر لازم اور فرض کر دیتا ہے کہ وہ اپنے ذہن و قلب کی ساری قوتیں اس کے حوالہ کر دیں اور ملاءِ اعلیٰ میں بھی تاکید ہوتی ہے کہ جو اس کی اطاعت و فرماں برداری کرے اس سے خوشنودی اور جو اس کی مخالفت کرے اس سے ناخوشی ظاہر کی جائے۔ اور وہ لوگوں

کو ان امور سے آگاہ کر دیتا ہے اور اپنی اطاعت و فرماں برداری لوگوں پر لازم قرار دے دیتا ہے۔ ایسے مفہوم کو "نبی" اور "رسول" کہتے ہیں۔

(حجۃ اللہ البالغہ مبحث ۶ باب ۲)

شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفاء جلد ۱ صفحہ ۱۶۰ تا ۱۵۱، البدور البازغہ صفحہ ۱۶۸ تا ۱۶۹، تاویل الاحادیث صفحہ ۶ وغیرہ ہم میں نبی کی تعریف بیان فرمائی ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

تلہ گنگ

واصف رومان

- **فدائے احرار حضرت مولانا گل شیر شہید رحمۃ اللہ کی اہلیہ محترمہ انتقال فرما گئیں۔**
- **مولانا محمد مغیرہ کا مسجد سیدنا ابوبکر صدیق میں بحیثیت مبلغ تقرر**

فدائے احرار مولانا گل شیر خان شہید رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ ۱۲؍ اگست ۲۰۰۸ء کو انتقال فرما گئیں۔ اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون ط

مرحومہ طویل عرصے سے مختلف عوارض کا شکار تھیں۔ وفات سے تین روز قبل آپ اپنی صاحب زادیوں کے ہاں "لمّن" تحصیل تلہ گنگ میں قیام پذیر تھیں کہ اچانک رختِ سفر باندھ کر عقبیٰ کو چلی گئیں۔ مرحومہ نے پس ماندگان میں ایک صاحب زادہ حافظ حسین احمد صاحب اور تین صاحب زادیاں چھوڑی ہیں۔

عالمی مجلس احرارِ اسلام تلہ گنگ کے امیر حاجی رفیق، غلام ربانی، ماسٹر غلام یٰسین، تحریک طلبہ اسلام اور گل شیر اکیڈمی کے سربراہ عمر فاروق عمر نے مرحومہ کے اہلِ خانہ سے دلی تعزیت کا اظہار کیا ہے۔ اور آپ کی وفات کو عظیم حادثہ قرار دیا ہے۔ جامع مسجد ابوبکر صدیق میں اجتماعی دعاء مغفرت کی گئی۔

مرکزی دفترِ احرار کی طرف سے مولانا محمد مغیرہ کو تلہ گنگ میں بحیثیت مبلغ جماعت مقرر کیا گیا ہے۔ آپ نے مسجد سیدنا ابوبکر صدیق میں فرائضِ خطابت و امامت سنبھال لئے ہیں۔ بعد نمازِ فجر درسِ قرآن اور بعد از عشاء درسِ حدیث جاری ہے۔ جماعت کے کارکن انہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔

توقع ہے کہ مولانا محمد مغیرہ صاحب کی آمد کی وجہ سے مقامی جماعتی سرگرمیاں عروج پر پہنچ جائیں گی۔ بہت جلد تلہ گنگ کے دیہات میں مجلس احرارِ اسلام کی رابطہ مہم کا آغاز کیا جا رہا ہے

تحریکِ نفاذِ اسلام پاکستان کا قیام

ملتان
سید محمد کفیل بخاری

[redacted]

- مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مفتی ولی حسن مدظلہٗ مرکزی امیر منتخب ہوگئے
- دینی قوتوں کے اتحاد اور نفاذِ اسلام کی عملی جدوجہد کا عہد
- ضیاء الحق شہید کے نفاذِ اسلام کے سلسلہ میں کئے گئے اقدامات کے نفاذ اور تحفظ کا عزم

گزشتہ چالیس برس سے اسلام کے نام پر حاصل کی گئی مملکت میں حق پرست علماء اور دینی کارکن انتہائی کرب اور اضطراب کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ قیامِ پاکستان کے وقت انہیں اسلامی مملکت کا جو خواب دکھایا گیا تھا وہ چکنا چور ہوگیا۔ آرزوئیں، تمنائیں اور خواہشیں سب خاک ہوئیں، دینی اقدار کو قتل کیا گیا، شعائرِ اسلام کی توہین کی گئی۔ دین کو دقیانوسانہ نظام کہا گیا، دین والوں پر "رجعت پسند" کی پھبتی کسی گئی اور وہ سب کچھ کہا اور کیا گیا جس سے دینی اقدار و تہذیب اور دینی جماعتوں اور کارکنوں کو شدید نقصان پہنچا۔

لیکن اس سب کچھ کے باوجود حق پرست علماء نے نفاذِ دین کی جدوجہد جاری رکھی۔ اسی جدوجہد کے نتیجہ میں مرحوم صدر ضیاء الحق شہید کے دورِ حکومت میں نفاذِ اسلام کے سلسلہ میں پیش رفت ہوئی اور صدارتی آرڈی ننسوں کے ذریعہ اسلامی قوانین کے نفاذ کی کوششیں ہوئیں۔ مثلاً

- امتناعِ قادیانیت آرڈی ننس
- تحفظِ مقامِ صحابہ آرڈی ننس
- شریعت آرڈی ننس
- شرعی عدالتوں کا قیام وغیرہ

پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ یہاں کوئی بھی اسلامی قانون اسمبلی کے ذریعہ نافذ نہیں ہوا اور اس کی عملی صورت سامنے نہیں آئی کیونکہ پارلیمانی، صدارتی یا کوئی بھی جمہوری نظام ریاستِ اسلام سے قطعاً مناسبت نہیں رکھتا بلکہ اسلام کی ضد ہیں اس لئے ان کے ذریعہ یا ان نظاموں کے تحت معرضِ وجود میں آنے والے اداروں کے ذریعہ نفاذِ اسلام کی جدوجہد حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ ضیاء الحق مرحوم کے دورِ حکومت سے پہلے بھی

اسمبلیوں میں اسلامی قوانین قراردادوں کی حد تک صرف زیر بحث آتے رہے لیکن قانون کی صورت میں ان کا نفاذ نہ کیا گیا۔ خصوصاً قراردادِ مقاصد اور مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد۔ لیکن ان پر قانون سازی نہیں کی گئی یہ صرف ضیاء الحق مرحوم کے دورِ حکومت میں ہوا کہ اسلامی قوانین کو باقاعدہ آئین کا حصہ بنایا گیا اور ان کے نفاذ کی حتی المقدور کوشش کی گئی۔ ۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی نے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا مگر قانون سازی نہ ہونے کی وجہ سے مرزائی کسی سزا کے خوف سے بے پرواہ ہو کر ارتداد کی تبلیغ میں مصروف رہے لیکن ضیاء الحق مرحوم نے امتناعِ قادیانیت آرڈیننس نافذ کر کے مرزائیوں کو ارتداد کی تبلیغ سے ہمیشہ کیلئے منع کر دیا اور اس کے علاوہ جتنے آرڈیننس نافذ ہوئے وہ صدر کے اختیارات کے ذریعہ ہوئے اسمبلی کے ذریعہ نہیں۔

ملک کی تازہ ترین صورت حال کے پیش نظر حق پرست علماء دینی قوتوں کے اتحاد کیلئے ایک بار پھر میدانِ عمل میں اُترے ہیں۔ علماء حق نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا ہے کہ ملک کی تمام لادین قوتیں سیاسی و تہذیبی طور پر متحد ہیں اور سیاست دان نفاذِ اسلام کی بجائے بحالیٔ جمہوریت کی جدوجہد میں مصروف ہیں ان کے اس عمل سے دین اور دینی قوتوں کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے۔

چنانچہ ۲۸ ستمبر ۱۹۸۸ء کو مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم ملتان میں ملک بھر سے علماء و مشائخ کے ایک نمائندہ اجتماع میں "تحریکِ نفاذِ اسلام" کے نام ایک غیر سیاسی تنظیم کا قیام عمل میں لایا گیا۔ مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن مدظلہٗ، شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن (کراچی) مرکزی امیر منتخب ہوئے۔ حضرت سید انور حسین نفیس مدظلہٗ نائب امیر اور ابنِ امیر شریعت سید عطاء المؤمن بخاری مدظلہٗ رابطہ سیکرٹری منتخب کئے گئے۔

اجلاس کے بعد سید عطاء المؤمن بخاری مدظلہٗ نے ایک پریس کانفرنس میں تحریک کے قیام اور اغراض و مقاصد پر مفصل گفتگو فرمائی۔ حضرت سید انور حسین نفیس مدظلہٗ، مولانا محمد یاسین اور مولانا عبد الحق چوہان بھی اس موقع پر موجود تھے۔ پریس کانفرنس کا مکمل متن ہدیۂ قارئین ہے۔

سانحۂ بہاولپور کے بعد ملک کی بدلتی ہوئی غیر یقینی صورت حال کے پیش نظر نفاذِ اسلام کی عملی جدوجہد پر غور و فکر کے لئے ملک کے چاروں صوبوں سے نمائندہ علماء و مشائخ کا ایک اہم اجتماع مورخہ ۲۸ ستمبر ۸۸ء کو دارِ بنی ہاشم ملتان میں زیر صدارت مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب

منعقد ہوا۔

اس اہم اجتماع میں ملکی حالات کا انتہائی غور وفکر کے ساتھ مکمل جائزہ لینے کے بعد ملک میں مکمل نفاذِ اسلام کی عملی جدوجہد کیلئے علماء ومشائخ کی قیادت وامارت میں ایک دینی تنظیم کے قیام کو متفقہ طور پر عمل میں لانا ضروری ولازمی قرار دیتے ہوئے مندرجہ ذیل امور مکمل اتفاقِ رائے کے ساتھ طے ہوئے۔

۱۔ اس اساسی اجلاس میں ایک دینی تنظیم کا قیام عمل میں لایا گیا جس کا نام "تحریکِ نفاذِ اسلام" طے پایا جو خالص دینی بنیادوں پر ملک میں نفاذِ اسلام کی جدوجہد کرے گی۔

۲۔ تحریکِ نفاذِ اسلام کے امیر مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب، نائب امیر حضرت مولانا سید انور حسین نفیس شاہ صاحب اور
اطلاعات ورابطہ نظامت کیلئے سید عطاء المؤمن بخاری منتخب ہوئے۔

۳۔ تحریکِ نفاذِ اسلام کے فوری مقاصد مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ ملک میں نفاذِ اسلام سے متعلق اب تک جو اقدامات ہوئے ہیں ان کا تحفظ اور خامیوں کو دور کرکے انہیں مؤثر بنانے کی جدوجہد۔ خصوصاً امتناعِ قادیانیت آرڈیننس۔ تحفظِ مقامِ صحابہ آرڈیننس۔ حدود آرڈیننس اور شریعت آرڈیننس وغیرہ

ب، نفاذِ اسلام کے عمل کو آگے بڑھا کر ملک میں مکمل طور پر نفاذِ شریعت کی بھرپور کوشش

ج، ملک میں مکمل نفاذِ اسلام کے مسئلے پر تمام دینی جماعتوں، تنظیموں اور مؤثر شخصیتوں کو دعوتِ اتحاد وتعاون دے کر اس مقصد پر متفق کرنا۔

۴۔ تحریکِ نفاذِ اسلام کے مقاصد کے تعارف اور رائے عامہ کو تیار کرنے کی غرض سے ——
ملک بھر میں "نفاذِ اسلام کانفرنس" کے عنوان سے اجتماعات منعقد کیے جائیں گے۔

۵۔ اس اجلاس میں مندرجہ ذیل علماء کرام پر مشتمل ایک وفد تشکیل دیا گیا جو مختلف دینی جماعتوں سے رابطہ اور ملاقات کے ذریعہ انہیں نفاذِ اسلام کے مشترکہ مقصد پر متحد ہونے کی دعوت دے گا۔

۱۔ حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب　　۲۔ حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب

۳۔ حضرت مولانا حسن جان صاحب　　۴۔ حضرت مولانا محمد لیسین صاحب

اس وفد کے کنوینر حضرت مولانا محمد لیسین صاحب ہوں گے۔

تحریکِ نفاذِ اسلام کے اساسی اجلاس میں مندرجہ ذیل قراردادیں متفقہ طور پر منظور کی گئیں۔

ا۔ ● تحریکِ نفاذِ اسلام کا یہ اساسی اجلاس عبوری حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ ملک میں نفاذِ اسلام کے سلسلے میں سابق صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق شہید کے کئے گئے اقدامات اور وعدوں اور خود عبوری حکومت کی طرف سے اعلان شدہ ترجیحات کے مطابق نفاذِ اسلام کا عمل پوری اہمیت کے ساتھ جاری رکھنے کو اولیت دی جائے۔ جس کے لئے فوری طور سے مندرجہ ذیل امور کو روبہ عمل لاکر بالخصوص مسلمانانِ پاکستان اور بالعموم پورے عالمِ اسلام میں پاکستان کے اندر نفاذِ اسلام کے عمل کے بارے میں پایا جانے والا عدمِ اطمینان اور غیر یقینی کیفیت کو ختم کیا جائے۔

i۔ شریعت آرڈیننس جو چار ماہ کی مدت پوری ہونے پر ختم ہونے والا ہے۔ اسے اس مدت کے ختم ہونے سے پہلے علماء کی تجویز کردہ ترمیمات کے مطابق اس کی تجدید کی جائے۔

ii۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے شرعی قوانین کے جو مسودے تیار کئے گئے ہیں بالخصوص قانون قصاص و دیت اور نظامِ عدل و احسان سے متعلق تمام قوانین فوری طور پر نافذ کئے جائیں۔

iii۔ وفاقی شرعی عدالت میں علماء ججوں کی خالی جگہوں کو پُر کیا جائے۔

iv۔ ہائی کورٹوں میں شریعت آرڈیننس کے تحت مفتیوں کا تقرر کیا جائے۔

۲۔ ● : تحریکِ نفاذِ اسلام کا یہ اساسی اجلاس عبوری حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ مسئلہ افغانستان کے بارے میں سابقہ پالیسی کو افغانستان میں افغان مجاہدین کی مکمل اسلامی حکومت کے قیام تک پورے جوشِ ایمانی اور جذبۂ جہاد کے ساتھ جاری رکھا جائے۔

۳۔ ● : تحریکِ نفاذِ اسلام کا یہ اساسی اجلاس عبوری حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ ملکی دفاع اور اس کی بقاء، سلامتی اور ترقی یافتہ بنانے کے لئے ایٹمی پروگرام کو تمام تر تحفظات اور پوری سرگرمی سے جاری رکھا جائے۔

۴۔ ● ، تحریکِ نفاذِ اسلام کا یہ اساسی اجلاس عبوری حکومت سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ سانحۂ بہاولپور کی تفتیش و تحقیق کے نتائج سے قوم کو جلد از جلد آگاہ کیا جائے تاکہ ملک و ملت کے دشمنوں کی نشاندہی ہوسکے۔ ہم سابقہ روایت کے مطابق ایسے ملی و قومی حادثوں کو رازِ سربستہ بنانا ملک و ملت کے

مفاد کے خلاف سمجھتے ہیں تفتیش و تحقیق سے مجرم ثابت ہونیوالوں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے ۔

۵ ـــ ●: تحریکِ نفاذِ اسلام کا یہ اساسی اجلاس ملک میں بالخصوص اندرونِ سندھ اور کراچی میں علاقائی اور لسانی بنیادوں پر لوٹ مار اور قتل و غارت گری پر انتہائی تشویش کا اظہار کرتا ہے اور اسے ملکی امن و سلامتی اور مثالی اسلامی فلاحی معاشرہ کے قیام کے منافی یقین کرتے ہوئے عبوری حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ ـــــــــ وہ جلد از جلد ایسے اقدامات کرے ـــــــ جس سے ملک کے محب وطن مسلمان شہریوں کو اپنے حقوق کے بارے میں عدم تحفظ کا نہ صرف احساس ختم ہو بلکہ انہیں عملی اقدامات سے یقین و اطمینان حاصل ہو تاکہ آئندہ وہ کسی ملک و ملت کے دشمن کی سازش کا شکار ہو کر ایک دوسرے کی جان کے دشمن نہ بن سکیں نیز تحریکِ نفاذِ اسلام کا یہ اجلاس ملک بھر کے تمام علماء، خطباء و مشائخ عظام اور تمام دین دار اور با اثر شخصیات سے بھی دردمندانہ اپیل کرتا ہے کہ وہ اپنی دینی قومی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے پورے ملک میں امن و محبت کی فضا پیدا کرنے میں عملی جدوجہد کریں تاکہ ملک علاقائی اور لسانی فتنوں سے اور زہرناکیوں اور تباہ کاریوں سے محفوظ ہو سکے اور اسلامی فلاحی معاشرہ کی منزلِ قریب آ سکے ۔

۶ ـــ ●: تحریکِ نفاذِ اسلام کا یہ اساسی اجلاس ملک میں آنے والے حالیہ خوفناک سیلاب کی تباہ کاریوں کے پیشِ نظر حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ متاثرہ لوگوں کو املاک و مال کے لئے ضروریات اور دیگر تحفظات فراہم کرنے کیلئے جلد از جلد اقدامات کرے ۔ علاوہ ازیں یہ اجلاس ملک بھر کے تمام اہلِ ثروت اور مخیّر حضرات سے بھی دردمندانہ اپیل کرتا ہے کہ وہ اپنے دکھی اور تباہ حال بھائیوں کی دل کھول کر امداد کریں ۔ یہ اجلاس ملک بھر کے تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں سربسجود ہو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے تمام سرکشیوں اور بغاوتوں کی سچے دل سے معافی مانگیں اور اس سیلاب کے عذاب سے نجات کی دعائیں مانگیں اور توبہ استغفار کریں ۔

۷ ـــ ●: تحریکِ نفاذِ اسلام کا یہ اساسی اجلاس نفاذِ اسلام کے سلسلہ میں اعلانِ اسلام آباد سمیت ملک بھر میں ہونے والی کاوشوں کو مستحسن قرار دیتے ہوئے واضح اعلان کرتا ہے کہ ملک میں جس طرف سے بھی نفاذِ اسلام کے لئے کوئی جماعت یا تنظیم آواز اٹھائے گی اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا جائے گا ۔

تحریکِ نفاذِ اسلام کے اساسی اجلاس میں جن علماء و مشائخ نے شرکت کی ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں :

۱۔ حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب (کراچی)
۲۔ حضرت مولانا خان محمد صاحب (کندیاں)
۳۔ حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب (〃)
۴۔ حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحب (کراچی)
۵۔ مولانا اسفندیار صاحب (〃)
۶۔ مولانا محمد جمیل خان صاحب (کراچی)
۷۔ حضرت مولانا حسن جان صاحب (کراچی)
۸۔ حضرت سید انور حسین نفیس صاحب (لاہور)
۹۔ حضرت مولانا سید محمد متین ہاشمی صاحب (لاہور)
۱۰۔ حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری صاحب (ملتان)
۱۱۔ حضرت مولانا فیض احمد صاحب (ملتان)
۱۲۔ حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب (ملتان)
۱۳۔ حضرت مولانا ناصر الدین صاحب 〃
۱۴۔ قاری محمد حنیف جالندھری صاحب (〃)
۱۵۔ مولانا غلام قادر صاحب (ملتان) (〃)
۱۶۔ حضرت مولانا عبد المجید صاحب (کہروڑ پکا)
۱۷۔ حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب (اسلام آباد)
۱۸۔ حضرت مولانا عبد الحق صاحب چوہان (رحیم یار خان)
۱۹۔ حضرت مولانا محمد اسحٰق سلیمی صاحب (نجاری نگر کوٹ مٹھن)
۲۰۔ حافظ محمد یوسف سیال ایڈووکیٹ صاحب (احمد پور شرقیہ)
۲۱۔ حضرت مولانا قاری خلیل احمد صاحب (سکھر)
۲۲۔ حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب (راولپنڈی)
۲۳۔ حافظ محمد صدیق صاحب (راولپنڈی)
۲۴۔ حضرت مولانا فضل رحیم صاحب (لاہور)
۲۵۔ حضرت مولانا منظور احمد تونسوی صاحب (ملتان)
۲۶۔ حضرت مولانا محمد منیر صاحب (جہانیاں)
۲۷۔ مولانا سیف الرحمٰن صاحب (حیدر آباد)
۲۸۔ ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المومن بخاری (ملتان)

تلاشِ گمشدہ

مرکزی دفترِ احرار ملتان کے کارکن ابو میمون اللہ بخش احرار کے چچا زاد بھائی صغیر احمد ولد نور محمد عمر پندرہ سال عرصہ ایک سال سے لاپتہ ہیں۔ ایک آنکھ معمولی سی ٹیڑھی ہے جو بغور دیکھنے سے محسوس ہوتی ہے، موصوف قالین بافی کا کاریگر ہے۔ جس صاحب کو ملے براہ کرم اس پتہ پر اطلاع دیں۔

۱۔ نور محمد لنگاہ بستی پیپر تحصیل تونسہ ضلع ڈیرہ غازیخاں ۲۔ اللہ بخش احرار دفتر مرکزیہ احرار ۲۴۰ کوٹ تغلق شاہ ملتان شہر

آئیے۔ اللہ کی رضا اور اجر حاصل کیجئے۔!

ہمارے دینی ادارے اور مستقبل کے منصوبے

مسلمان توجہ فرمائیں

★ — مجلسِ احرارِ اسلام دینی انقلاب کی داعی ہے۔ دینی انقلاب — دینی مزاج اور دینی ماحول پیدا کیے بغیر ممکن نہیں۔ ۱۹۲۹ء سے آج تک احرار نے بیسیوں تحریکوں کو جنم دیا اور پروان چڑھایا۔ احرار کی سب سے بڑی، مضبوط اور زندہ تحریک **تحریکِ ختمِ نبوّت** ہے۔

★ — پاکستان سے پہلے اور پاکستان کے بعد احرار نے سینکڑوں دینی ادارے قائم کیے جن سے اُمّتِ مسلمہ میں دینی مزاج عام اور دینی قوتوں میں اضافہ ہوا۔ اکابرِ احرار نے ایک بات شدّت سے محسوس کی کہ جب تک دینی ادارے بُنیادی طور پر احرار کی نگرانی میں نہیں چلتے اُس وقت تک یکجہتی پیدا ہونا مشکل امر ہے۔ لہٰذا ہم نے اُمّتِ مسلمہ کے تعاون سے اندرون و بیرونِ مُلک دینی ادارے قائم کئے ہوئے ہیں جن کی مختصر تفصیل یُوں ہے :

★ مدرسہ معمورہ ———— مسجدِ نور، تغلق روڈ ملتان ————

★ مدرسہ معمورہ ———— دارِ بنی ہاشم، پولیس لائنز روڈ ملتان ————

★ مدرسہ محمودیہ معمورہ ———— ناگڑیاں ضلع گجرات ————

★ جامعہ ختمِ نبوّت ———— مسجد احرار متّصل ڈگری کالج ربوہ۔ فون نمبر: ۸۸۶ ————

★ مدرسہ ختمِ نبوّت ———— سرگودھا روڈ ربوہ ————

★ دارالعلوم ختمِ نبوّت ———— چیچہ وطنی ۔ فون نمبر: ۲۹۵۳ ————

★ مدرسہ ابوبکر صدّیق ———— تلہ گنگ ضلع چکوال ————

★ یوکے ختمِ نبوّت مشن ———— (ہیڈ آفس) گلاسگو، برطانیہ ————

یہ ادارے سرگرمِ عمل ہیں۔ ان کے اخراجات اور آئندہ کے منصوبے، مسجد احرار ملتان، مدرسہ معمورہ کے بڑھتے ہوئے کام کے پیشِ نظر زمین کی خرید اور تعمیرِ نو، دفاتر کا قیام، بیرونی ممالک میں مبلّغین کی تعیناتی اور اداروں کا قیام، پچاس کتابوں کی اشاعت — یہ تمام کام اُمّتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعاون سے ہوگا۔ یہ کام آپ ہی نے کرنا ہے۔

"تعاون آپ کریں دُعاء ہم کرینگے اور اجر اللہ پاک دینگے — آئیے، آگے بڑھئے اور اجر کمائیے"

فقیر سیّد عطاء المحسن بُخاری
مُدیر مدارس التحفیظ والمساجد
دارِ بنی ہاشم ○ پولیس لائنز روڈ ○ ملتان
ترسیلِ زر کے لئے: اکاؤنٹ نمبر: ۲۹۹۳۲ حبیب بنک لمیٹڈ حسین آگاہی ملتان

۱۴۰۸ھ

دسویں سالانہ یک روزہ عظیم الشان

سیرت کانفرنس

جامع مسجد احرار
جامعہ ختم نبوّت
ربوہ

۱۲ ربیع الاوّل ۱۴۰۹ھ
۲۴ اکتوبر ۱۹۸۸ء

◎ ۱۲ ربیع الاوّل کو حسبِ سابق دسویں سالانہ یک روزہ عظیم الشان **سیرت کانفرنس** جامع مسجد احرار ربوہ میں پورے تزک و احتشام سے منعقد ہو رہی ہے۔ جسمیں ملک بھر سے علماء، ومشائخ، وکلاء، طلباء، صحافی، مزدور کسان اور دینی کارکن، پورے جذبہ و شوق سے شریک ہو رہے ہیں۔

جلوس

◎ اس موقع پر حسبِ سابق ایک عظیم الشان جلوس مسجدِ احرار سے برآمد ہوگا، جو اپنے سابقہ متعینہ راستوں سے ہوتا ہوا مسجد بخاری پہنچ کر اختتام پذیر ہوگا۔ دورانِ جلوس زعمارِ احرار سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے موضوع پر خطاب فرمائیں گے —— ● تمام احرار کارکنوں کو ھدایت کی جاتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں کانفرنس و جلوس میں شریک ہوں ● ہر کارکن سُرخ قمیص پہن کر جلوس میں شریک ہو ● ہر جماعت کم از کم پانچ پرچم احرار ہمراہ لائے ● کارکنوں کی تعداد اور اپنے پروگرام سے فوراً مطلع کریں۔

رابطہ فون: ربوہ ۸۸۶، چنیوٹ ۲۳۴۳، چیچہ وطنی ۲۹۵۳، لاہور ۳۲۱۰۷۰، فیصل آباد ۲۵۱۶۴، گوجرانوالہ ۰۰

منجانب: تحریک تحفظ ختم نبوّۃ [شعبۂ تبلیغ] عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان

رابطہ کیلئے: مدرسہ معمورہ، دارِ بنی ھاشم مہربان کالونی پولیس لائنز روڈ ملتان، فون ۴۴۴۹۳